جملہ حقوق محفوظ
سلسلہ مطبوعات عصمت نمبر ۱
تصنیف
مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ
جسے
رازق الخیری ایڈیٹر عصمت و بنات نے
عصمت بک ایجنسی دہلی سے شائع کیا
پانچویں مرتبہ
جنوری ۱۹۴۱

گلدستۂ عید
مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عید کا کُرتہ

ہلالِ عید بھی ہے لُطف و راحت کی فضا بھی ہے
مگر اس چاند کا قصّہ مسلمانوں سُنا بھی ہے
مناؤ عید کی خوشیاں پھرو خوب اپنے گیلے تم
جمع سامانِ راحت ہیں مسرت کی ہوا بھی ہے
مبارک تم کو ہو یہ دن سلامت تم کو یہ گھڑیاں
یہ ہی ہے آرزو اپنی یہی اپنی دُعا بھی ہے
منا لو خوب جب خوشیاں اور ہو کچھ عیش سے فرصت
تو پھر اس چاند کو دیکھو کہ کچھ اس میں صدا بھی ہے
سُنو اپنی کہانی تم کہ ہے دلچسپ و دل کش یہ
یہ ہے اپنی ہی بپتی اور اپنا ماجرا بھی ہے

دلِ دردآشنا پہلو میں ہے تو چیخ اٹھو گے
اگر احساسِ قومی اور دل میں کچھ حیا بھی ہے
منائی عید تم نے بال بچوں کی ندیموں کی
مگر فریاد بھی کچھ کان میں آئی یتیموں کی؟

~~~~~~~~~~

ظہیرہ بنت احمد نو برس کی جان ننھی سی
یتیم و بیکس و تنہا نہ ماں اس کی نہ باپ اس کا
ہلالِ عید دیکھا اور آنسو آنکھ میں آئے
لگی کہنے کہ اب دنیا میں میرا کون ہے بیٹھا
نہ اماں ہیں نہ ابا ہیں نہ والی ہے نہ وارث ہے
نہ مہندی کا کوئی ساماں نہ کرتے کا نہ کپڑے کا
لگی ہے آگ سی دل میں کدھر جاؤں کہوں کس سے
چھٹی ہوں گود سے ماں کی اٹھا ہے باپ کا سایہ
ابھی پچھلے برس جب میرے مادر باپ زندہ تھے
مری جوتی نئی آئی بنا کرتہ تھا جھم جھم کا
خریدی تھی مری امی نے اطلس ایک کرتہ کی
رکھی ہے میری ٹنگچی میں ارے ہاں خوب یاد آیا
مگر پیسے کہاں ہیں کون سیوے گا غرض کس کو
چلوں شاید نکل آئے کوئی اللہ کا بندہ
یہ شب تھی عید کی مصروف دنیا اپنے کاموں میں
کہیں بچوں کی تیاری کہیں ٹوپا کہیں ٹانکا
~~~~~~~~~~

از علامہ اسد اشرف الخیری

مگن گھر والیاں خوشیوں میں شاداں باپ بچوں میں
کہیں قالین ایرانی، کہیں تھا بوٹ ڈاسن کا
اندھیرا چھا رہا تھا رات کے احکام جاری تھے
کہ بن ماں باپ کی بچی چلی گھر سے لئے کپڑا
یہاں پہنچی وہاں پہنچی اِدھر دیکھا اُدھر دیکھا
پرائے شور و شر دیکھے مسلمانوں کا گھر دیکھا

~~~~~~

کہیں سونا چمکتا تھا دمکتا تھا کہیں نیلم
کہیں خاموش تھی لونڈی کہیں محوِ ادا بیگم
صدا دی ایک گھر پہ یہ "رہے اس گھر کی گھر والی
ترے بچے جئیں جم جم تجھے ہو سکھ سدا بیگم
یتیم و بیکس و لاچار ہوں قسمت کی ماری ہوں
نہ اماں ہے نہ باوا ہے نہ بھائی نے چچا بیگم
میں ہوں بے وارثی لیکن مرا ایمان ہے قرآں
مرا ہادی مرا مولا محمدؐ مصطفےٰ بیگم
طفیل اس نام کا بیوی تصدق اپنے بچوں کا
جو فرصت ہو تو اک کرتہ مرا سی دے ذرا بیگم
نہیں گو ہم کسی قابل نہ سنگھی ہے نہ ساتھی ہے
مگر دیں گے دعا تجھ کو ہمارے کام آ بیگم
ذلیل و خوار ہیں ہم یاں مگر عرشِ معلےٰ پر
ہماری بادشاہی کا ہے ڈنکا بج رہا بیگم
~~~~~~

عید کا کرتہ از علامہ راشد الخیری مر

اندھیرا گھُپ ہے ڈر لگتا ہے سر پر رات چھائی ہے
اری سی دے مرا کرتہ خدا کا واسطہ بیگم
جواب آیا نہ جب کچھ بھی تو یہ کہہ کر بڑھی آگے
کئے بچوں کے سب دھندے مرا کرتہ رہا بیگم
مسلمانوں! تمھیں احکام کی کچھ یاد بھی آئی
تمھارے کان میں معصوم کی فریاد بھی آئی

"عصمت" اپریل ۲۷ء

عید کی دُعا

عید کی رات کو ایک گھر والی خدا کے حضور میں

الٰہ العالمین وہ روز جس کا تیری مخلوق مدتوں سے انتظار کر رہی تھی ختم ہو گیا آفتاب عید جس کی آنکھیں بیتابی سے منتظر تھیں دن بھر سروں پر چمک دمک کر اور مرجھائے ہوئے دلوں کو کھلا کر غروب ہو چکا۔ شبِ عید سر پر آئی اور آدھی کے قریب گذر گئی۔ اب دنیا عالمِ خواب میں ہے بچے اُچھل کود کر بچے والیاں ہنس بول کر بے خبر ہو گئیں۔ انسان حیوان چرند پرند سب نیند کی لپیٹ میں ہیں۔ چڑیا اپنے انڈوں کو اور بچے والی اپنے لال کو کلیجہ سے چمٹائے نرم نرم گھونسلے اور گرم گرم بچھونے پر آرام کر رہی ہیں۔ رات کا سناٹا چاروں طرف چھا چکا۔ تاریکی دُور تک پھیل گئی۔ اس عالمِ سنسان میں رات کی سائیں سائیں کے سوا ہر طرف خاموشی ہے۔ تارے آسمان پر درخت زمین پر پھول باغ میں غرض کائنات کا ہر ذرہ چُپ چاپ ہے۔ احکم الحاکمین بادشاہوں کے بادشاہ ایک

ادنیٰ کنیز ایک گنہگار لونڈی تیرے حضور میں حاضر ہوئی ہے، مولا تیرے احسانات کا تیرے رحم و کرم کا تیری عنایت و رحمت کا، شکریہ کس منھ سے ادا کروں، سچے مالک اپنے فضل سے، اپنے جوش رحمت سے مجھ گنہگار کو یہ خوشی کا دن دکھایا۔ شوہر اور بچوں کی سلامتی، ماں باپ کی زندگی، بہن بھائیوں کی موجودگی میں عزت و آبرو سے فرحت و اطمینان سے عید ختم ہوئی۔ احسان مولا احسان، کرم، آقا کرم، رحم مالک رحم، سچے مالک اور حقیقی آقا تیری سرکار بڑی۔ تیرا دربار عظیم۔ رؤف الرحیم تیرا نام بڑا، تیرے کام اچھے، علام الغیوب تیرا رحم وسیع، تیرا کرم اعلیٰ، میری فریاد سن۔ میری التجا قبول کر۔ دونوں بچے تیری امانت ہیں۔ ان کی عمر میں برکت دے۔ ان کے باپ کی عمر و رزق میں ترقی، صحت و عافیت معبود حقیقی دے۔ شادمانی دے، نور ایمان دے، رزق میں برکت دے اسلام پر موت دے بچا حکیم الاطلاق عذاب قبر سے دوزخ کی آگ سے، شرک سے گناہ سے

مولا رات ختم ہوگئی، صبح قریب ہے روز عید اور شب عید دونوں پورے ہوئے اپنے حبیب کے طفیل اسی طرح عزت و آبرو، خوشی و اطمینان سے دوسری عید آئی نصیب ہو۔

۱۸/۶

عید کی خوشی

دُکھ سُکھ۔ شادی غمی۔ مرنا جینا۔ ہنسنا، رونا۔ مختصر یہ کہ جہاں جیتی جان کیساتھ دنیا کے بکھیڑے اور زندگی کے مخمصے لازمی ہیں۔ وہاں خوشیوں کی بہار اور اطمینان کا لُطف بھی انسان کے واسطے ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو چند ہی روز میں لوگ دُنیا سے اُکتا جاتے۔ کوئی سنکھیا کھاتا۔ کوئی کنوئیں میں گرتا۔ یہاں تک کہ مرنے کی تمنا موت کو نعمت بنا دیتی ہے۔ اب یہ قدرت کا انتظام تھا کہ بیماری کے ساتھ صحت نقصان کے ساتھ نفع، رنج کے ساتھ خوشی دُکھ کے ساتھ ہنسی۔ غرض یہ کہ ہر تکلیف کے ساتھ راحت یا راحت کی اُمید بھی ایسی لگا دی کہ اس آس پر کٹھن گھڑیاں اور سخت دن سب ڈھیر ہو جاتے ہیں۔ بڑی سے بڑی مشکل درپیش بدتر سے بدتر مصیبت سامنے۔ مگر دل ہے کہ اندر سے یہی کہہ رہا ہے۔ شاید اب دن سنور جائیں۔ یہ بلا ٹل جائے۔ مگر کیوں؟ اس لئے کہ رات دن آنکھیں یہ تماشا دیکھ رہی ہیں۔ مریض بستر مرگ پر پڑا ہے۔ حکیم جواب دے چکے۔ اور پروائے جینے سے مایوس ہیں۔ عزیز سانس گن رہے ہیں۔ اور بیمار سنبھل بیٹھا۔ دوکان میں آگ لگی مال متاع

جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔ عمر بھر کی کمائی نوٹوں کا صندوقچہ تھا، اس کے جلنے نے بالکل بٹھا دیا۔ الماری کھول کر دیکھتے ہیں تو صندوقچہ جوں کا توں امانت کا سلامت، یہ ہیں وہ واقعات جو دوزخ دنیا کو بہشت اور زندگی کو نعمت بناتے ہیں اور یہ ہیں وہ خوشیاں جو سخت سے سخت مصیبت اور بڑی سے بڑی آفت میں بھی آدمی کے پاؤں نہیں ڈگمگانے دیتیں۔ کیسی ہی پریشانی اور کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو چھٹکارے کی آس سانس کے ساتھ لگی ہوتی اور جس طرح غم کی تہ خوشی میں چھپی ہوئی ہے اسی طرح اگر ہر رنج میں نہیں تو ہر رنج کے بعد کوئی نہ کوئی خوشی کسی نہ کسی قسم کا اطمینان انسان کو ضرور میسّر ہو جاتا ہے۔

یوں تو نہ غم کی قسمیں مقرر ہیں نہ خوشی کی۔ نئی نئی خوشیاں نئے نئے غم۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا میں اس خوشی سے بڑی خوشی کوئی نہیں جو انسان کو اپنا فرض پورا کرنے کے بعد میسّر ہو۔ بیٹے کا بیاہ، تجارت کا نفع، ملازمت کو ترقی۔ مقاصد کی کامیابی۔ یہ تمام وہ خوشیاں ہیں جو ایک خاص وقت تک ہیں اور پھر اثر زائل ہوتے ہوتے وہ خوشی اور اس کا خیال دونوں ختم۔ لیکن فرض کے ادا کرنے کی خوشی وہ خوشی ہے کہ گو دوسری خوشیوں کی طرح اس وقت اس کا اثر بھی زائل ہو جائے۔ مگر جب کبھی خیال آئے گا، خوشی حاصل ہو گی اور دل اندر سے مرحبا کہے گا۔ فرض پورا کرنے کی خوشی وہ سچی خوشی ہے جس کے پھول ہمیشہ لہلہاتے رہیں گے عید الفطر اسی سچی خوشی کا ایک نمونہ اسلام نے پیش کیا ہے۔ تاکہ تمام مسلمان مرد اور عورتیں اپنے فرض کو پورا کرنے کے بعد خوشی منائیں اور یہ خوشی ان کے باقی فرائض کے پورا کروانے میں ایک مثال ہو۔

کون ایسا مسلمان ہو گا جو عید کے منانے کی تیاریاں نہ کرتا ہو بڑے سے چھوٹے تک اور امیر سے غریب تک ہر ملک اور ہر شہر میں اس کا انتظار ہوتا

ہے یہاں تک کہ بچے بھی اس خوشی میں ماباپوں سے زیادہ شریک ہوتے ہیں لڑکیاں دنوں پہلے چوڑی مہندی کپڑے لتے تیار کرتی ہیں اور اپنی حیثیت کے موافق پہن اوڑھ کر عید کی خوشی مناتی ہیں۔ مگر اس خوشی کے منانے کا اصل حق اُنھیں کو حاصل ہے، جنھوں نے خدا کے حکم کی تعمیل کی۔ بھوک کی مصیبت پیاس کی تکلیف گوارا کی اور فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی نہ کی۔ تکلیف کو راحت، اور مصیبت کو نعمت سمجھا۔ مہینہ بھر تک بھوکے پیاسے رہ کر یہ دکھا دیا کہ دنیا کی کوئی چیز ہمارے فرض ادا کرنے میں رخنہ نہیں ڈال سکتی۔

عید کا چاند ایک مشہور مثل ہے جو بڑی مشکل سے دکھائی دیتا ہے۔ اس مثل کا حال اِن ہی خدا کے بندوں کے دِل جان سکتے ہیں جنھوں نے ایک دو نہیں پورے اُنتیس دن اور دن بھی گرمی کے پہاڑ سے اس طرح گذارے کہ دانہ تک اُڑ کر نہیں گیا۔ جانور تک ہانپتے پھر رہے ہیں۔ مگر ان پاک نفسوں کے ہونٹ پانی کے قطرے سے آشنا نہیں۔ اس طرح پورا ایک مہینہ گذار کر اُنتیس کی شام کو اُن کے منھ آسمان کی طرف اُٹھ گئے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا شروع کیا کہ شاید چاند نظر آ جائے اس مثل کے معنی کچھ سمجھ سکتے ہیں۔ تو یہ ہی لوگ کس شکل سے اُن کی آنکھیں آسمان پر چاند کو ڈھونڈتی ہیں اور دکھائے دیئے جانے کے بعد فرض کے ادا کرنے کی خوشی اُن کے دلوں پر کیا اثر کرتی ہے۔

غالباً حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کا ذکر ہے، عید کے روز لوگوں کو دیکھا کہ چاروں طرف خوشی کے مارے اُچھلتے کودتے پھر رہے ہیں۔ خاموش کھڑے ہو گئے۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ آج مسلمانوں کی عید ہے۔ آپ اس طرح کیوں چُپکے کھڑے ہیں یہ سنتے ہی آنکھ سے آنسو نکل آئے اور فرمانے لگے کہ میں ایک میدان دیکھ رہا ہوں جس کی منزل مقصود آج کا روز یعنی عید ہے مسلمان

اس میدان میں دوڑے کہ اس منزل پر پہنچیں۔ اب نہیں معلوم کہ کون منزل مقصود پر پہنچ گیا۔ کون بھٹک گیا۔ اور کس نے منزل تک پہنچنے کا ارادہ ہی نہیں کیا۔ بخدا ان میں سے جن کو یہ معلوم ہو جائے کہ منزل تک پہنچ گئے تو وہ چیختے چیختے بے ہوش ہو جائیں۔ میں ان سب کی حالت پر تعجب کر رہا ہوں اور اپنی حالت پر رو رہا ہوں۔ نہ معلوم ہیں میدان میں کیسا دوڑا اور منزل مقصود تک پہنچا یا دور رہ گیا

اسی طرح ایک اور بزرگ کا ذکر ہے۔ جب عید کے روز لوگوں نے انھیں روتا ہوا دیکھا اور سبب دریافت کیا تو فرمانے لگے کہ یہ کیوں کر معلوم کروں کہ فرض والے کا فرض پورا ہو گیا۔

عید کی خوشی مسلمانوں میں عالم گیر خوشی ہے۔ دنیا کا کوئی حصہ کوئی ملک کوئی شہر۔ گاؤں، کوئی قصبہ، دیہات ایسا نہ ہوگا۔ جہاں یہ خوشی نہ منائی جاتی ہو مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس خوشی کی اصلی وجہ کیا ہے۔ اور اس دن کو کیوں مقرر کیا گیا ہے صرف اس لیے کہ مسلمان اس پاک ذات کے حکم کی تعمیل سے فارغ ہو گئے جس کو وحدہٗ لاشریک یقین کر رہے ہیں۔ اور عید کی خوشی ان کو بتا دے کہ فرض کے پورا کرنے کی کتنی خوشی ہوتی ہے۔ اور وہ اپنے فرض کے ادا کرنے میں ہمیشہ مستعد رہیں۔

ممکن ہے اور مذہبوں نے بھی ایسی تعلیم دی ہو۔ لیکن اسلام کی اس تعلیم کا بڑا منشاء یہ تھا کہ مسلمان اپنے فرائض کے ادا کرنے میں توجہ کریں، مگر افسوس جہاں ہم نے اور بہت سی اچھی باتوں کی اصلی خوبیاں غارت کر دیں وہاں عید کی جو اصلی وجہ تھی اس سے بالکل غافل ہو گئے۔ اور سیکڑوں مسلمان مرد اور عورتیں ایسے نکلیں گے جنہوں نے شاید روزہ تو ایک نہ رکھا ہو۔ مگر عید کا لباس اللہ چاہے محلہ بھر میں

سب سے بڑھیا نکلے گا۔

ہم دیکھتے آئے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان مرد بھی اور عورتیں بھی لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی ایک معقول رقم عید کی نذر کر دیتے ہیں۔ بہت سے اللہ کے بندے تو قرض تک کی پروا نہیں کرتے۔ پیچھے چاہے تقاضا ہو تو اور تکلیف ہو تو مگر عید کے روز چھیلا اور دولہن بننا فرض جو کچھ خدا نے دیا ہے وہ شوق سے کھاؤ پیو، اوڑھو۔ پہنو، شکوہ نہ شکایت کہنا نہ سننا۔ مگر اس کے کیا معنی کہ پلے میں نہیں، ادھی گرہ میں نہیں کوڑی۔ قرض لو چاہے کوئی چیز بیچو۔ مگر عید کے دن کسی سے ہیٹے نہ رہو۔

اسلام کی غرض صرف اتنی ہے کہ پاک صاف کپڑے پہن کر خدا کا شکریہ ادا کرو کہ اس نے اس فرض کے پورا کرنے کی توفیق دی یہ نہیں کہ بغیر پچاس روپیہ کے جوڑے کے عید ہی نہیں بن سکتی۔ منجملہ اور بہت سی خوبیوں کے روزے کے فرض کرنے سے ایک منشاء اسلام کا یہ بھی ہے اور ضرور ہے کہ جو پیٹ بھر کر کھا سکتے ہیں وہ بھوکوں کی تکلیف کا اندازہ کر سکیں۔ تاکہ ان کی مدد کے وقت اپنی بھوک کو یاد کریں۔ اور بچوں والیاں جس وقت عید کے روز اپنے بچوں کو نہلا دھلا کر کپڑے پہنائیں، کلیجہ سے لگائیں دیکھ دیکھ کر باغ باغ اور نہال نہال ہوں اس وقت اس معصوم کا بھی خیال رکھیں جس نے دیوار بیچ رات کا بڑا حصہ اپنے ماں باپ کی یاد میں گذار دیا۔ اور آج کوئی اتنا نہیں کہ عیدگاہ لے جانا تو درکنار اس کے میلے کپڑوں کو اجلا۔ پرانوں کو نیا، اور ٹوٹی جوتی کو ثابت کر دے۔ مائیں جس وقت اپنی پیاری بچیوں کے ہاتھ میں عید کی مہندی لگائیں، اس وقت آنکھ اٹھا کر یہ بھی دیکھ لیں کہ ایک یتیم بچی بھی مٹر مٹر ان کا منہ تک رہی ہے۔ اور اس کا حسرت بھرا دل اپنے ماں باپ کو یاد کر کے رو رہا ہے۔ گھر والیاں جب عید کے حصے

اور عید گاہ کے کھلونے تقسیم کریں۔ اس وقت اتنا خیال رکھیں کہ ان کچوریوں مٹھائیوں
اور کھلونوں میں ان عزیزوں اور پڑوسیوں کا بھی حق ہے جن کے سر پر وارث نہیں
رہے اور جن کی آنکھیں شوہروں کی یاد میں ندیاں بہا رہی ہیں

کتنے بڑے افسوس کی بات ہے کہ مسلمان ان ضرورتوں پر مطلق توجہ نہ کریں
اور بجائے اس کے کہ اسلام کا یہ منشاء پورا کریں اور الٹی چال چلنے لگے۔ دوسروں کی
مدد تو درکنار، عید کے طفیل وہ اس قابل ہونا چاہتے ہیں کہ خود بھی دوسروں کی مدد کے محتاج ہو جائیں
عید کا سب سے بڑا اور سب سے ضروری راز فرض کے ادا کرنے کی خوشی کا بتانا ہے جس وقت ایک شخص
یہ سمجھ لے کہ فرض کے ادا کرنے کی خوشی کتنی وقعت رکھتی ہے اس وقت ضرور ہے کہ وہ اپنے فرائض
کے ادا کرنے میں پوری پوری مستعدی ظاہر کرے گا اور وہ شخص جو فرائض ادا کر رہا ہے خواہ وہ دین
کے ہوں یا دنیا کے تو اس شخص سے بہتر انسان کہلائے جانے کا مستحق کوئی نہیں ہو سکتا جب سے ہوش
سنبھالا اس وقت سے وہ اس وقت تک اگر سینکڑوں اور بیسیوں نہیں تو کتنی عیدیں آئیں اور
گئیں اور خدا کا شکر ہے سب ہی منائیں مگر آج تک یہ خیال کبھی نہ آیا کہ عید گئی تو سہی مگر کیا سبق دے گئی

عید کے رات اور دن چوبیس گھنٹہ کا ہر لمحہ چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ اے اسلام
کا دعویٰ کرنے والے مسلمان دیکھ فرض کے ادا کرنے کی یہ خوشی ہوتی ہے کہ میں نے تمام
دنیا کو بشاش بنا دیا۔

امید ہے کہ اس مضمون کی پڑھنے والی بہنیں اور بھاوجیں۔ مائیں اور بیٹیاں
ساسیں اور بہوئیں بیویاں اور گھر والیاں اس مبارک دن کی خوشی منانے وقت
اپنے فرائض پر غور کریں کہ خدا ان کو توفیق دے کہ وہ اسی طرح اپنے تمام فرائض ادا
کر کے خوشیاں منائیں اور مذہب کی اس عید کے بعد اللہ ان کو ادائیگی فرض کی دن
رات عیدیں منانی نصیب کرے۔

عصمت اکتوبر ۱۹۰۶ء

مسلمان فیشن ایبل خاتون کی ڈائری میں عید کا روز

ہم عید کا ارادہ تین مہینہ سے کر رہے تھے۔ مگر صاحب کو چھٹی ہی نہ ملتی تھی۔
بہت مشکل سے ایک مہینہ کی چھٹی اس طرح ملی کہ ستائیسواں روزہ تھا۔ میں
نے چونکہ تاج نہ دیکھا تھا۔ اس لئے ہم اسی روز آگرہ روانہ ہوگئے۔ تاج نہایت
اچھی عمارت ہے۔ مگر افسوس رمضان کی وجہ سے ہماری سیر خاک میں مل گئی
ہم جس ہوٹل میں ٹھیرے وہ شہر کے وسط میں تھا۔ اس لئے روزوں کا اثر
ہماری سیر پر بہت برا پڑا۔ ہمارے برابر والے کوٹھے پر ایک پنجابی تاجر رہتا
تھا۔ مگر عجیب قسم کا بدمذاق اور بے حس انسان تھا۔ چار بجے سے اس نے
خمیری روٹی اور آلو کا سالن تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ نہایت میلے کچیلے لنگڑے
لولے مرد اور عورتیں جمع ہوگئے۔ جن کی صورتیں حالتیں۔ لباس وضع دیکھ
کر جی متلاتا تھا۔ مگر تعجب ان میاں بیوی پر تھا۔ جو دے دے کر خوش ہو رہے
تھے۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں دورہ نہ اٹھے غنیمت ہے کہ محفوظ رہی۔ مگر یہ اس
قدر تکلیف دہ منظر تھا کہ اب تک اس کے خیال سے اذیت ہوتی ہے۔ مبارک
ہوگا وہ روز جب ہندوستان سے خیرات کا طریقہ غارت ہوگا۔

دوسری سخت تکلیف ڈھنڈوروں اور گویوں کی تھی۔ جو رات کو دو تین بجے

اور شام کو روزہ داروں کے واسطے بجتے تھے۔ کوئی معقول آدمی رات کو اس شور میں ہرگز نہیں سو سکتا۔ روزہ دار روزہ اپنے واسطے رکھتے ہیں۔ ان کو ہرگز یہ حق نہیں کہ دوسرے کی نیند خراب کریں۔

یہ تکلیف ہی کچھ کم نہ تھی کہ بعض مسلمان ہوٹل والوں کے ہاں عمدہ عمدہ چیزیں جو دور دور مشہور تھیں اس مہینہ میں صرف شام کو تیار ہوتی تھیں۔ رمضانی کے کباب ایک دن بھی ہم کو دن کے وقت نہ مل سکے اور کھانا بہت بدمزہ کھایا۔

۳-جون- آج اعتماد الدولہ گئے۔ یہ بھی اچھی جگہ ہے ارادہ ہوا کہ آج شام کا کھانا یہیں کھائیں۔ مگر رمضان کا اثر اس مقصد پر بھی پڑا۔ گاڑی والا ایسا لغو تھا کہ باوجود دگنے دام دینے کے شام کو ٹھیرنے پر رضامند نہ ہوا اور روزہ کا عذر کرتا رہا

سکندرہ کی سیر باقی تھی کہ چاند ہو گیا۔ ساری رات دو کانیں کھلی رہیں۔ اس قدر غل رہا کہ مطلق نہ سو سکی۔

۴-جون- آج عید تھی۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں کی مفلس قوم نہایت بیدردی سے روپیہ ضائع کرتی ہے۔ اپنے برآمدہ میں بیٹھی دن بھر یہی سوانگ دیکھتی رہی۔ نہایت مفلس اور جاہل بھی مگن تھے۔ بچے گود میں فضول کھلونے ہاتھ میں مٹھائیاں اور ترکاریاں خرید رہے ہیں اور گلے مل رہے ہیں

مجھے بہت ہنسی آئی جب ہوٹل کے منیجر نے جو مسلمان تھا ہم سے دریافت کیا کہ آج عید ہے۔ سویاں کھانے پر کس قدر بھیجی جائیں۔ مجھے تعجب ہے لوگ یہ ثقیل غذا کس طرح ہضم کر لیتے ہیں۔ سویوں کے ہضم کرنے کو عربی معدوں کی ضرورت ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کی یہ تقلید تعجب انگیز ہے۔

سنہ ۱۹۲۰ء

اُمِ جعفر کی عید

شوہر کے بعد چونکہ دونوں بچّے نابالغ تھے۔ اس لیئے مملکت فضا کا تمام انتظام ملکہ نرگسیں کے سپرد ہوا۔ گو یہ اعلان حکومت عارضی تھا۔ پھر بھی خاندان الطیر کے مقتدر اراکین اس خیال سے کہ ان کی حکمراں ایک خاتون ہے، خوش نہ تھے۔ لیکن نرگسیں دیکھنے میں معمولی پرند سہی، مگر اس خاندان کی لڑکی تھی جس میں نسلاً بعد نسلٍ سات پشت سے حکومت کا سلسلہ منقطع نہ ہوا۔ تیرہ سال والی حکومت نہیں تو والیِ حکومت کی ملکہ رہی۔ اور یہ دور ایسا تھا جس سے سلطنت کے تمام کاروبار اس کی سمجھ میں آگئے۔ شوہر کا صرف نام تھا۔ کام سارا نرگسیں کر رہی تھی زمام سلطنت ہاتھ میں آتے ہی، اس نے سب سے پہلے رہزنی و قزاقی کا انسداد کیا۔ اور اس کا بہترین انتظام یہ تھا کہ کمزوروں کی حفاظت طاقت وروں کے سپرد کی، اور ہر با اختیار کو ذمہ دار قرار دے دیا۔ شاہین و شہباز جیسے

مشہور ڈاکوؤں کو خلعت گراں بہا دے کر وظائف مقرر کئے۔ حتی کہ مسند وزارت عطا فرمائی۔

مغرب رضیہ کی طرح نرگسیں کو بھی انتخاب وزارت میں مطعون کرتا ہے۔ حقیقت جو کچھ ہو۔لیکن جو دیکھا وہ یہ ہے کہ ایک تین ہی مہینے میں ارض داؤد کی کایا پلٹ گئی۔جہاں شب و روز خاک اُڑتی تھی۔ وہاں اب کوہ حسیمیہ کی بلند چوٹیوں پر بلبلان خوش الحان کے آشیانوں کی قطار دور تک پھیلی ہوئی تھی۔یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ قدرت نرگسیں کے ساتھ تھی۔جن چٹیل میدانوں میں تپتی ہوئی چٹانوں کے سوا کچھ نہ تھا وہ دریائے فرات کی خوشنما لہروں کا مسکن بنے اور وہ لق و دق جنگل بیابان جہاں عالم سنسان تھا وہاں ہر لمحہ آبشار ملہار گاتے۔صبح اور شام جب ارض داؤد کے بسنے والے اپنی نغمہ سنجی میں مصروف ہوتے اور شہنشاہ حقیقی کے ساتھ ملکہ نرگسیں کے اقبال کی دعا کرتے تو ہوا اُن کا منہ چومتی۔ پھول وجد میں آکر جھومتے اور دریا کی لہریں اس دلفریب نظارے کو چٹانوں سے اُٹھ اُٹھ کر جھانکتیں

جہاں بادشاہ عقاب کی رعیت کا وہ پورے کا پورا قافلہ جو سپہ سالار زاغ و زغن کی سرکردگی میں محض سیر و سیاحت کی غرض سے آیا اور پہلی ہی منزل میں تکا بوٹی ہو گیا۔وہاں آج یہ کیفیت ہے کہ چڑیوں کے انڈے اور پودوں کے بچے چاروں طرف لڑھکتے اور اُڑتے پھرتے ہیں۔لیکن کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا ایسی قابل رشک اور بے فکر زندگی تھی۔ آزاد ہوا میں اُڑتے اور مطمئن آشیانوں میں سوتے علی الصباح جب تاروں کی بزم درہم برہم ہوتی تو صبا کی ٹھنڈی

ہوا میں نرگسیں کی شاہانہ سواری نکلتی، درازیٔ عمر کے غلغلے بلند ہوتے اور وفورِ شوق اور کثرتِ ذوق کا یہ عالم تھا کہ چاند حسرت سے تکتا پھیکا پڑتا اور تارے ترستے ہوئے مدہم ہوتے۔ یہ وہ وقت تھا کہ خاندان عباسیہ کے تاجدار ہارون الرشید کے سر پہ دولت کی ہرتی پھرتی چھاؤں اپنا سایہ ڈال چکی تھی۔ امام ابو سفیان ثوری کا نام آسمان زہد پر روشن ہو چکا تھا اور کثیر عزّہ کی شاعری مملکت بغداد پر اپنا سکہ بٹھا چکی تھی۔ لڑکا سنِ بلوغ کو پہنچا اور ملکہ نرگسیں نے نظام مملکت اس کے سپرد کر دیا۔"

ولیعہد کے تختِ نشین ہونے کی خوشی میں ایک رات جگا منایا گیا جگنوؤں کی چمک نے ارضِ داؤد کو بقعۂ نور بنا دیا تھا۔ دور دور کے پرند اور مدتوں کے بچھڑے عزیز اس جلسہ میں آکر جمع ہوئے۔ آدھی رات موسیقی میں بسر ہوئی۔ اس کے بعد سب نے اپنے اپنے مشاہدات اور خیالات کا اظہار کیا کسی نے ہوا پر گفتگو کی، کسی نے بارش اور بجلی پر، کسی نے چاند اور تاروں پر، کسی نے سبزہ اور مہتاب پر۔ رات ختم ہو رہی تھی اور صبح کا وقت قریب چلا آتا تھا کہ ایک طوطیٔ خوش الحان اٹھ کر زمین بوس ہوتی اور آواز بلند کہا:-

"ملکہ عالم میں آپ کی مہمان نہیں ہوں۔ ایک جستجو میں نکلی تھی، پھرتی پھراتی ادھر بھی آگئی۔ مجمع دیکھا ٹھٹک گئی۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔ آپ کے بچے کی عمر دراز ہو۔ اجازت دیجئے کہ میں جاؤں"

ملکہ:- "میں آپ کے احسان کی بے حد ممنون ہوں۔ آپ نے جہاں اتنا کرم فرمایا تھوڑی دیر اور صبر کیجئے۔ اور اپنے وطن، اپنی زندگی، اپنے تجربہ کا حال ہمیں

بھی سنایئے تاکہ ہم اس سے مستفید ہو سکیں

طوطی "ملکہ بات ختم ہو گئی۔ اب دھوپ چڑھ جائے گی۔ میری منزل مقصود بہت دور ہے اور نہ معلوم کدھر اور کہاں۔ ٹھہری تو ڈھیر ہو جاؤں گی۔ اور ایک دن بالکل بے کار ہو جائے گا۔ مجھے جانے دیجئے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ایک آدھ منزل طے کروں گی۔ نیا دانہ نیا پانی۔ شاید مراد پوری ہو، اور جو ڈھونڈ رہی ہوں وہ مل جائے"

ملکہ "ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ اپنی داستان ہمیں بھی سنایئے۔ آپ ہماری ہمجنس ہیں آخر کچھ ہمارا بھی حق ہے۔ صرف آج دن بھر دم لیجئے شاید ہم آپ کو کچھ مدد دے سکیں"۔

ملکہ کی درخواست ختم ابھی نہ ہوئی تھی کہ ہر طرف سے تائید ہوئی اور نووارد مہمان نے اپنا واقعہ اس طرح کہنا شروع کیا۔

"سرزمین بغداد یہاں سے شاید تین چار روز کا راستہ ہو گا۔ میں وہیں کی رہنے والی ہوں۔ ابھی بچہ ہی تھی کہ صیاد کے ہاتھ گرفتار ہو کر ایک امیر کے محل میں اور بیگم کے قبضہ میں پہنچی۔ اس کی ریاست و امارت پر شک کرنا کفر ہے۔ دنیا کی ہر نعمت اور زندگی کی ہر راحت اس کے حضور میں دست بستہ حاضر تھی۔ مگر باوجود اس شوکت و ثروت کے نخوت و تمکنت اس کے پاس آکر بھی نہ پھٹکتی تھی۔ میری آؤ بھگت اور مدارات کیسی ہوئی۔ اس سے سمجھ لو۔ کہ چند ہی روز میں وطن کی محبت اور عزیزوں کی شفقت سب بھول بسر گئی۔ قید میں تھی ایسے انسان کی کہ وہ قید آزادی سے بہتر، گرفتار تھی، مگر اس بیگم کی، جس کی گرفتاری اطمینان سے اچھی۔ سونے چاندی کا گنگا جمنی پنجرا میرا آشیانہ بنا۔ جواہرات کی کلیاں میرے برتن ٹھیرے۔ اور جس کے آگے ہزاروں نوکر اور مامائیں موجود تھیں، وہ خود میری

خدمت گذار ہوئی۔ یہ سماں جو آج پیش نظر ہے ہمارے ہاں ہر لمحہ تھا۔ اور یہ جلسہ جو شاید اب تم عمر بھر نہ دیکھو گے میں ہر ساعت دیکھتی تھی۔ المختصر میں وہاں تھی جہاں ہر متنفس مطمئن اور ہر شخص بے فکر تھا۔ اور ان لوگوں میں تھی جن کا ہر روز روز عید اور ہر رات شبرات تھی۔ جب ان کا خاص تہوار مذہبی خوشی

یوم العید

سر پر آیا تو کس طرح بتاؤں کہ کیا ہوا۔ محل اور محل سرا باغیچے اور باغیچیاں ڈیوڑھیاں اور دروازے اور صحن اور صحنچیاں الغرض اس عالیشان عمارت کا چپہ چپہ اور کونہ کونہ صدائے انبساط دے رہا تھا۔ جب مؤذن نے خلق اللہ کو روز عید کی آمد کا مژدہ پہنچایا تو بیگم اپنی سیجوں سے اُٹھی، وضو کیا اور معبود حقیقی کے حضور میں حاضر ہوئی۔ بعد انفراغ سجدہ میں گری رو رہی تھی کہ اس کا بچہ دائیں طرف کھڑا تھا۔ سلام پھیرا تو بیٹے کی صورت دکھائی دی۔ برس کا برس دن تھا۔ فرط محبت سے لپٹی پیار کیا۔ گلے میں ہاتھ ڈالے سر کو بوسہ دیا داڑھی پر ہاتھ پھیرا اور کہا "خدا عمر دراز کرے۔ اقبال میں ترقی دے۔ لیکن میرا دل بیٹھا جا رہا ہے مجھ پر ایسی عید کبھی نہیں آئی۔ آج میرے دل کو کیا ہو گیا۔ میں اس عزت میں ذلت اس اقبال میں بربادی۔ اس عروج میں زوال اس بہار میں خزاں کی جھلک دیکھ رہی ہوں۔" اتنا کہہ کر بیگم رونے لگی۔ بچہ ماں کے کلیجہ سے چمٹا ہوا خاموش، اور بیگم کا سر اوپر تھا۔ آنسو پونچھ ڈالے اور دریچہ میں لئے ساتھ آئی۔ سینکڑوں بندگان خدا ننگے بھوکے محتاج فقیر کھڑے تھے۔ ترقی اقبال کے نعرے لگائے بیگم نے سات سو خلعت گراں بہا اپنے لال پر سے تصدق کر کے غربا کو دیئے اور التجا کی درازی عمر کی دعا کرو۔

کارخانہ حیات کی ہر چیز فانی۔ جلوہ گاہ دنیا کا ہر تماشا متزلزل۔ دنیائے

زندگی کی ہر خوشی زوال پذیر اور ہستی ناپائدار کے ہر وجود کو فنا ہے۔ یوم العید اچھلنے کودتے ہنستے بولتے ختم ہو گیا۔ بیگم نے خزانوں کے منہ کھول دیئے تھے کوئی سائل ایسا نہ آیا جو نہال ہو کر نہ گیا ہو۔ ذرا اب تھوڑی دیر کے واسطے اس وقت کو یاد کر لو جب ہم اپنے کلیجے کے ٹکڑوں کو بھراتے ہیں۔ اور یہ بے زبان چیں چیں کرتے دُم کو تھرکاتے پروں کو پھڑکاتے ہمارے سامنے پھرتے ہیں۔ انسان ہماری طرح بھراتا نہیں۔ ماں انسان دودھ پلاتی ہے۔ تم مشکل سے سمجھ سکو گی کہ اس دودھ سے جو بچہ پلا ہو گا وہ کیسا ہو گا۔ اور چھوٹنے کے بعد اس دودھ نے اس شخص پر کیا اثر چھوڑا ہو گا،

ابھی عید کی رات نہیں آئی۔ آفتاب غروب ہونے والا ہے۔ لیکن تھوڑی دیر کے واسطے پیچھے ہٹو۔ رمضان کی ابتدائی تاریخیں ہیں۔ بصرہ کا رہنے والا ایک تاجر ہے جو موتی کی تجارت کرتا تھا۔ بصارت کمزور ہو گئی اور کاروبار بالکل بگڑ گیا۔ ہر چند کوشش کی کہ اس نقصان کی تلافی ہو، مگر روز بروز اور لمحہ بہ لمحہ بدتری تھی۔ چند ہی روز میں نوبت فاقوں کی پہنچی۔ امیرانہ زندگی بسر کر چکا تھا، طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ افلاس میں عزیزوں کے آگے ہاتھ پھیلاؤں۔ بیوی اور معصوم فاقہ زدہ بچوں کو لے کر ہماری سرزمین پر وارد ہوا۔ ہماری محلسرا آنکھ کے سامنے آئی۔ دل کڑا کر کے خود اندر داخل ہوا اور بیوی بچوں کو سڑک پر کھڑا کر کے خدا کے سپرد کیا چاروں طرف مالک مکان کو ڈھونڈتا پھرتا تھا۔ لیکن پتہ نہ چلتا تھا، ایک شخص برہنہ سر ملا۔ حالت زار شن کر افسوس کرنے لگا۔ ایک کمرہ میں لیجا کر بٹھایا اور کہا کہ صاحب خانہ سے یہاں ملاقات ہو گی۔ تھوڑی دیر بعد دو ملازم حاضر ہوئے۔ ساتھ لے جا کر غسل کرایا۔ کپڑے بدلوائے اور دستر خوان بچھا کر انواع و

اقسام کے کھانے کھلائے۔ یہ سلسلہ کئی روز تک جاری رہا۔ تاجر بہت خوش تھا۔ لیکن بیوی بچوں کا خیال ہر لحظہ پریشان رکھتا تھا۔ جب ہلال عید نے بساط زمین پر رونق شادمانی بجا دیا، تو غریب الوطن مسافر نے بصد حسرت یاس ایک ملازم سے کہا۔

"تمھارے آقا کی مہمان نوازی ایسی نہیں ہے کہ میں اُس کا شکریہ ادا کرسکوں اگر ملاقات میسر ہو جاتی تو خوش نصیبی تھی"

بہنوں! اس واقعہ کو یہیں چھوڑ دو۔ وہی عید کا روز ہے آفتاب غروب ہو چکا ہے۔ رات شریف محتاجوں کی پردہ پوشی روئے زمین پر پھیل گئی تو بیگم کا لال وہی صاحب خانہ اپنے مہمان کی خدمت میں حاضر ہوا چہرہ ہاتھ سے چھپا ہوا تھا۔ اور آنکھیں نیچی تھیں۔ کہا میرے ساتھ چلیئے۔ تھوڑی دور ساتھ لے جاکر ایک مکان کا دروازہ دکھا دیا کہ اس کے اندر جائیے اور پھر میرے پاس آیئے۔ کچھ عرض کرنا ہے۔ مسافر اندر جاکر دیکھتا ہے تو اس کے بیوی بچے زرق برق پوشاکوں میں جگمگا رہے ہیں۔ ششدر رہ گیا۔ متحیر باہر آیا تو صاحب خانہ نے جس کی آنکھ سے آنسوؤں کا دریا بہہ رہا تھا کہا۔ میں ہی ہوں وہ شخص جس کی آپ کو تلاش تھی۔ جو آپ کو ننگے سر ملا تھا۔ اگر اس مہمان نوازی میں کوئی لغزش ہو گئی ہو تو آج شب عید ہے للہ معاف کر دیجئے گا یہ مکان آپ کی ملکیت ہے اور یہ ایک ہزار اشرفیاں٭

جس طرح عید کا روز اپنے اثرات چھوڑ کر ختم ہوا اسی طرح رات بھی اپنی یادگار چھوڑتی ہوئی صبح ہو گئی ایک دو نہیں اس کے بعد سینکڑوں راتیں اور دن آئے اور گئے۔ اور وہ دن بھی آگیا جب تغیرات زمانہ نے اس ماکو حالت ضعیفی میں اپنے بچہ کی خبر موت سنائی۔ جوان شیر کی موت نے بڑھیا ماں کی

٭ تفصیل صفحہ ۴۲ پر دیکھئے۔

تصویر متعلق صفحہ ۲۳
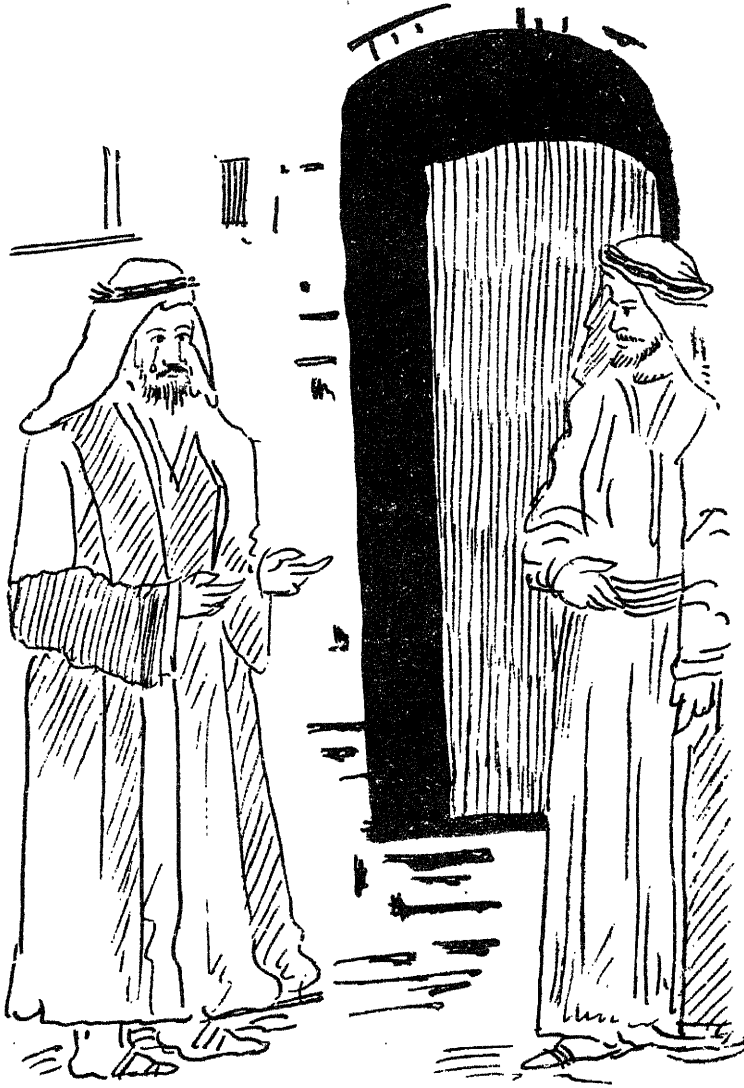
آنکھوں میں دنیا اندھیر کردی ۔عقل زائل ہوئی ہوش رخصت ہوئے۔حواس جاتے رہے۔کلیجہ نکل پڑا۔ساکت رہ گئی۔دفعتہً ایک ہوک اٹھی اور ساتھ ہی بچہ کی تصویر آنکھ کے سامنے آگئی۔اس کی باتیں اس کی اطاعت اس کی خدمتگزاری نے اس زخم پر نشتر دیئے۔سنبھلی۔مگر ساتھ ہی خیال آیا ہائے مفارقت ابدی

بڑھیا ماں زندہ اور جوان شیر مردہ

ایک چیخ ماری اور کہا دشمنوں نے میرے کلیجے کا ٹکڑا مجھ سے جدا کردیا، وہ خوش ہیں اور خوش رہیں کہ میں اب اس چاند سی صورت کو ترسوں گی۔اس کی باتوں کو ترسوں گی ۔اس کو روؤں گی۔اس کی آواز کو اس کے دیدار کو اس کے کرم کو اس کے رحم کو۔اس کی خدمت کو۔لیکن ہائے میرا بچہ وہ بچہ تھا کہ مادرگیتی اب ایسا نہ جنے گی۔تاریخ اس کے نام کو سینچے گی اور زمانہ اس کے نام کو جگائیگا۔آج بیگم نے میرا پنجرہ کھول دیا اور مجھ سے کہا جا طوطی اب تو آزاد ہے۔میں نے تجھ کو قید کیا تھا تیری خدمت کرتی تھی۔اب تیری خدمت کے قابل نہیں رہی ۔جا، اُڑ جا، خدا حافظ ۔

میں اب آزاد تھی۔مگر اکثر وہیں رہتی تھی۔چند روز کا واقعہ ہے کہ ایک صبح کو جب میں ایک مٹی پر بیٹھی تھی، مجھ کو معلوم ہوا کہ آج روز عید ہے لوگ بنے ٹھنے اُجلے صاف کپڑے پہنے جا رہے تھے۔جس گھر پر میرا گذر تھا وہاں ایک ادھیڑ عورت رہتی تھی۔جس کا بچہ نہا دھو کر کپڑے تبدیل کرنے والا تھا کہ دفعتاً ایک بڑھیا اس گھر میں داخل ہوئی۔اس کے پاؤں میں جوتی نہ تھی۔اس کی ردا میں آٹھ پیوند تھے۔جس کے نیچے کوئی کپڑا سینہ چھپانے کو نہ تھا۔اس کے پاجامہ کی دونوں پنڈلیاں بیری تھیں مگر گھر والی اس کی صورت دیکھ کر اس کے پاس آئی، اور کچھ ایسی باتوں میں

مصروف ہوئی کہ لڑکا بگڑتا بگڑاتا میلے کپڑے پہن عید گاہ چلا گیا۔

اب میرا کلیجہ شق ہوتا ہے اگر بتاؤں کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا سنو
وہ صاحب خانہ جس نے مہمان کی یہ مدارات کی اور رو رو کر
اس کی خدمت کی جعفر برمکی ہارون الرشید
کا وزیر تھا اور یہ زدہ حال بڑھیا
اس کی ماں تھی عنایہ
سنہ ۱۷ء

عید کا چاند میرے گھر میں نمودار ہوا

مریض کی اپنی رائے بھی کچھ وقعت رکھتی ہے۔ حکیم اور ڈاکٹر کی مایوسی کے علاوہ خود رحمٰن بھی اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا۔ مگر اتفاق دیکھو کہ اکیسویں روز بخار بھی اتر گیا۔ بخار کے ساتھ ہی تمام شکائتیں رفع ہوئیں۔ ایک کمزوری البتہ باقی تھی۔ اس کا چنداں خیال نہ تھا۔ وہ پہلے روز گھر سے باہر نکلا کہ چند قدم ٹہلے۔ دروازہ ہی میں ڈاک ملی۔ دونوں بیویوں کے نام خط تھے۔ پہلے چھوٹی بیوی کا خط کھولا، جو چہیتی بیگم تھی لکھا تھا:۔

ثروت آرا! تمھارا خط پہنچا۔ اب ہم سے کیا کہتی ہو۔ جیسا کیا ویسا بھگتو۔ تم کو ہر چند منع کیا کہ اگر نکاح ہی کرنا ہے تو کسی مالدار آدمی سے کرو جو چھڑا بھی ہو اور قدردان بھی۔ رحمٰن چیونٹیوں بھرا کباب۔ بیوی موجود بچے موجود۔ ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کی آمدنی۔ کیا پدڑی کیا پدڑی کا شوربا۔ مگر تمھاری سمجھ میں خاک نہ آیا

اب رونے سے کیا حاصل۔ تم نے لکھا ہے " رحمن بیمار ہے، زندگی کی امید نہیں خدا کا شکر ہے۔ پیچھا چھوٹا۔ صبح شام پاپ کٹا، اور میں آئی " اور آئیں بھی تو کس کام کی، جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ کہاں بیٹھو گی اور کون کھلائے گا ادھر کا رخ نہ کرنا"

اس خط کے پڑھتے ہی رحمن کے ہوش اڑ گئے۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ بازاری عورت بیویوں پر سبقت لے گئی۔ بلا سے لڑتی جھگڑتی ہے بدمزاج ہے، میں مرگیا تو عمر بھر روئے گی آنکھوں کے سامنے اندھیرا آگیا۔ قدم نہ اٹھ سکا چکرا کر وہیں بیٹھ گیا دوسرا خط بڑی بیوی کا تھا۔ اس کا خیال آتے ہی ارادہ کیا کہ پھاڑ کر پھینک دوں مگر پھر کچھ سوچا، اور نفرت سے کھولا۔ سب سے پہلے ایک پرچے پر نظر پڑی جو یہ تھا " چھوٹی آپا جان سلام علیکم۔ خالہ جان تو کل اجمیر گئیں۔ راستہ میں تمھارے پاس ٹھیرینگی اس لیے یہ خط واپس کرتا ہوں "

اب رحمن نے بیوی کا خط پڑھا جو اُس نے اپنی خالہ کو لکھا تھا۔

خالہ جان آداب۔ آج بارھواں دن ہے۔ کہ آپ کے داماد بخار میں لوٹھ پڑے ہیں۔ دل اڑا جاتا ہے۔ ہوش ٹھکانے نہیں۔ کیا کروں دیکھئے عید کا چاند مجھے کیا دکھاتا ہے۔ خدا مجھ کو اُس وقت زندہ نہ رکھے کہ میں ایسی ویسی سنوں، الٰہی اُن کی آئی مجھ کو آجائے۔ مگر وہ اچھے رہیں۔ غضب یہ ہے کہ مجھ کو جانے کا حکم نہیں۔ خدمت تو درکنار صورت کو ترس رہی ہوں۔ سارا دن اور ساری رات چھت پر بیٹھی رہتی ہوں کہ شاید کوئی آواز کان میں آجائے۔ میں ثروت کا مقابلہ نہیں کرتی اس کو خدا نے عمر دی۔ صورت دی۔ سلیقہ دیا دولت دی۔ ہاں اتنی آرزو ضرور ہے کہ اس دم پر قربان ہو جاؤں۔ میرے منھ میں خاک خالہ اماں ان کے بعد میرا کون بیٹھا ہے۔ نہیں پوچھتے تو کیا اپنے گھر میں ہزار من کی بیٹھی ہوں۔ یہ اُن کا ہی طفیل ہے کہ عزت و آبرو سے بچوں کو لئے زندگی گذار رہی

ہوں۔ ایک دن رات کو صبر نہ آیا۔ چپکے سے جا ایک کونہ میں بیٹھ گئی۔ بدنصیب ہوں۔ ثروت نے دیکھ لیا اور نکلوا دیا۔

میری خالہ اتنا تکلیف تو بیشک ہو گی۔ یہ پانچ روپیہ بھیجتی ہوں آخوندجی کو بلا کر دیدیجئے کہ بخاری شریف کا ختم پڑھ دیں۔ وہ پندرہ روپیہ لیا کرتے ہیں باقی دس روپیہ دو روپیہ مہینہ کرکے اتار دوں گی کسی طرح آرام ہوجائے میں آپ بھی حصن حصین کا ختم پڑھ رہی ہوں۔ خدا میری اور میرے بچوں کی طرف دیکھ لے۔ اب نماز کا وقت آ گیا۔ اچھی خالہ جان میں پھر ہاتھ جوڑ کر کہتی ہوں کہ اس کو دیکھتے ہی ختم شروع کروا دینا۔ باقی دس روپیہ پانچ مہینے کے اندر ہی اندر ادا کر دونگی۔"

یہ رحمٰن کی بڑی بیوی ارشادی کا خط تھا۔ جو دو بچوں کی ماں تھی اور رحمٰن اپنی ڈیڑھ دو سو روپیہ کی آمدنی میں سے صرف پندرہ روپیہ مہینہ دیتا تھا۔ لیکن عورت دیکھنی اور دکھائی حرام تھی۔ ارشادی کے جذبات اس وقت ایک بجلی تھی جو رحمان کے تمام جسم میں کوند گئی۔ اس کی آنکھ سے فرط محبت میں آنسو نکل پڑے اور جب اپنی لاپروائی اور بے وفائی کا خیال آیا تو کانپ گیا۔ اس کو آج معلوم ہوا کہ عورت کی صفات صرف حسن ظاہری پر ختم نہیں ہوتیں۔ اس کے آگے بھی کچھ ہے۔ اور یہ گھر کی بیٹھنے والیاں اُس جوہر سے مالا مال ہیں۔ جس کا نام شرافت ہے۔ اور یہ وہ سونا ہے جو تپ کر کندن اور گل کر چندن بنتا ہے۔ یہ وہ ہستیاں ہیں جو سخت سے سخت تکلیف اور بدتر سے بدتر مصیبت بھی قربانبرداری کے دائرہ سے باہر نہ نکلیں ارشادی کی تصویر اس کی آنکھ کے سامنے اس وقت موجود تھی۔ اور آج اس کے دل میں یہ خواہش موجود کہ اس بیوی کے قدموں کی خاک آنکھوں سے لگاؤں وہ لوٹا مگر تھک گیا تھا۔ پہلے ثروت ہی کے ہاں آیا تو صحن میں بیٹھنے کی کوئی جگہ نہ تھی۔

کہنے لگا "میں اس گرمی میں بھی اندر پڑوں" لاڈو کی تیوری پر یہ سنتے ہی بل آگیا۔ وہ آگے بڑھی اور کہنے لگی کہ یا آ آئی۔ نہیں شبّو دہی لینے گیا ہوا ہے میں تمھارے واسطے چولھے میں جھکوں یا پلنگ ڈھوؤں تم تو مزے سے تندرست ہو ہوا حکومت کرنے لگے اور دوسرے کی خبر بھی ہے کہ صبح سے درد میں تڑپ رہی ہوں۔ تم آپ پلنگ نکال لو" ارشادی کی بیگنا ہی اور اپنے مظالم کی ندامت اس وقت رحمن پر اس قدر سوار تھی کہ اس نے بالکل جواب نہ دیا اور باہر نکلا تو شاہی مسجد کی توپیں ہلال عید کا مژدہ پہنچا رہی تھیں۔ ارشادی کے ہاں گیا اور آج وہ ڈھائی سال بعد یہ اتفاق ہوا تھا۔ بے پاؤں اندر پہنچا اور ایک کونہ میں چپکا کھڑا ہوگیا۔ ارشادی کوٹھے پر کھڑی چاند دیکھ رہی تھی
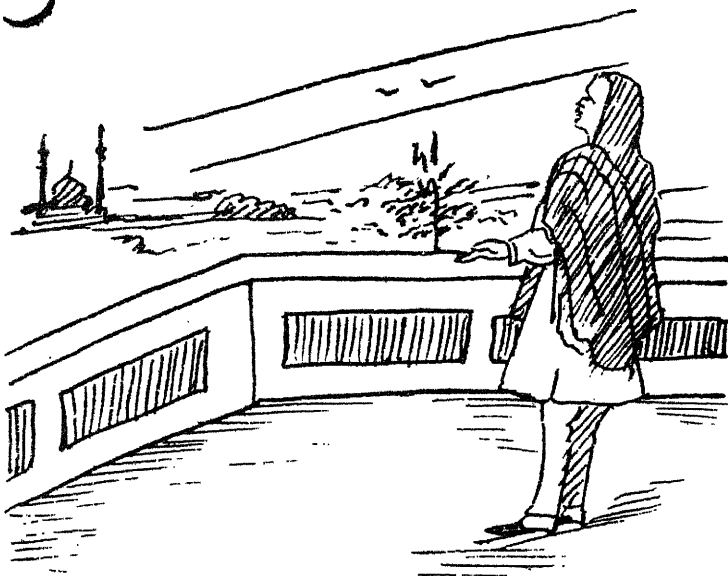
نیچے آئی۔ نماز پڑھی۔ سلام پھیرا۔ اور کہنے لگی "الٰہ العالمین رمضان کا مبارک مہینہ ختم ہوا۔ طفیل ان روزوں کا اور صدقہ اپنے حبیب کا ان بچوں کی عمر دراز

ہو اوران کے باپ کو صحت عطا کر" ارشادی دعا مانگ رہی تھی کہ بڑا بچہ بھاگا ہوا آیا اور کہا " اما چاند ہو گیا کل عید ہے" اس کو بلا کر گلے سے لگالیا اور کہنے لگی ۔" آؤ بیٹا۔ دعا مانگو کہ اللہ باپ کی عمر دراز کرے" اب رحمٰن آیا۔ ارشادی دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ گھبرا کر پوچھا " اب جی کیسا ہے" رحمٰن نے اس کا ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگایا۔ اور کہا۔" میں ظالم ہوں نادم ہوں۔ میری خطا معاف کردو"

اس وقت ارشادی کو تاب نہ رہی۔ رحمٰن کے قدموں میں گر پڑی اور کہا " میں لونڈی ہوں" رحمٰن نے اٹھایا تو دیکھا کہ آنکھ سے زار وقطار آنسو کی لڑیاں
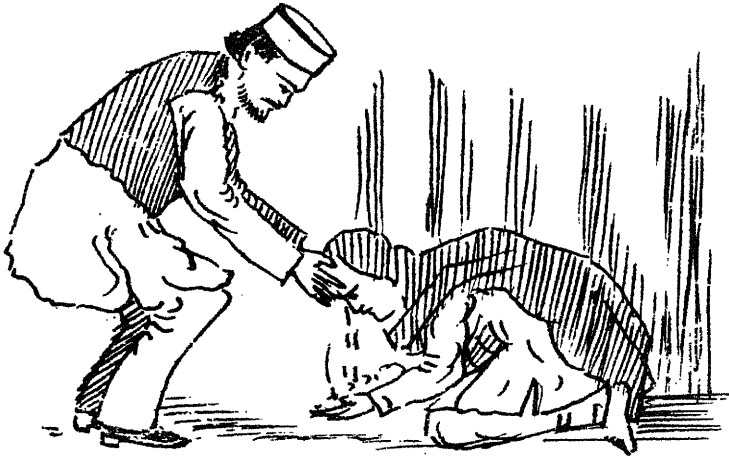
بہ رہی ہیں۔ اپنے ہاتھ سے اس کے آنسو پونچھے۔ تو ارشادی نے جلدی سے اجلی دری پر سفید چادر لاکر بچھائی۔ رحمان بیٹھا، اور بیوی سے کہنے لگا "کل عید ہے" ارشادی مسکرائی اور جواب دیا " ہاں! اگر عید کا چاند آسمان پر نہیں، میرے گھر میں نمودار ہوا ہے"۔

سنہ ۲۰ ع

رسول اللہؐ کی عید

جب ہلال عید مدینہ منورہ کے آسمان پر نمودار ہوا، تو ان سچے مسلمانوں میں جو اسلام کے عاشق زار تھے۔ نماز کی تیاریاں ہونے لگیں، اور حقیقی مسرت کی ایک برقی رو ہر مسلم سینہ میں دوڑ گئی۔ اب صبح ہوئی، آفتاب عید طلوع ہوا اور وہ وقت آیا جب برات اسلام کا دولھا (روحی فداہ) سجدہ شکر بجا لانے کو گھر سے نکلا۔ اس چاند کے برابر چاروں تارے نماز عید پڑھنے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کی اور جماعت بھی ساتھ ہے۔ کہ دفعتاً سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مبارک ایک بچہ پر پڑتی ہے۔ جو ایک جگہ خاموش بیٹھا ہے۔ رسول اکرم تمام جماعت کو چھوڑ کر ادھر تشریف لے جاتے ہیں اور دریافت فرماتے ہیں:۔

"بیٹا خاموش کیوں بیٹھے ہو؟" بچہ کی آنکھ میں آنسو آجاتے ہیں۔ اور وہ رو کر کہتا ہے آج روز عید ہے اور میرے ماں باپ نہیں کہ میں بھی کپڑے بدلوں۔ خدا کا سچا رسولؐ دنیا کا بہترین ہادی اس بچہ کو گود میں اٹھا لیتا ہے۔ اور گھر میں لاکر ام المومنین عائشہ صدیقہ کی طرف اشارہ کرکے کہتا ہے:۔ "یہ تمھاری ماں ہیں اور میں تمھارا باپ" حسین علیہ السلام کے کپڑے طلب کیے جاتے ہیں۔ بچہ نہلایا جاتا ہے کپڑے بدلے جاتے ہیں اور حضور انورؐ اس بچہ کو اپنی پشت پر بٹھا کر عید گاہ لے جاتے ہیں۔

فدا۔ قربان، خدا کے سچے رسول۔ تیری مقدس زندگی بتا گئی کہ انسانیت کیا ہے، اور اسلام کیا معنی رکھتا ہے۔

عصمت سنہ ۲۱ء

کواری بیٹی کو عید کی مبارکباد

ننھی بیگم اگلے برس تو آج کے روز تم بچہ تھیں، ناوان تھیں، اب کیا آج سال بھر بعد بھی ویسی ہی ناسمجھ ہو گی، عمر میں ایک سال زیادہ ہوا۔ برس بھر کا تجربہ بڑھا، بچپن سے ایک منزل آگے بڑھیں۔ جوانی سے ایک منزل قریب پہنچیں، بیٹی تم اگلے برس والی بچہ نہیں ہو۔ ماشاء اللہ سیانی ہو ہیں، ہشیار ہوئیں۔ ننھی سے ننھی بیگم ہوئیں۔ بتاؤ بیگم بنے کے بھی کچھ کام کیے، یا بچہ کی بچہ ہی رہیں۔

آہا آج یہ خوشی کا ہے کی ہے، عید ہے۔ آؤ ہم تم مل کر عید کی خوشی منائیں، بوڑھا اور بالا برابر ہیں، ہم تم دونوں یکساں ہیں۔ مگر بیٹی میں نے تو اللہ کا شکر ہے تیسوں روزے رکھے۔ (قبول کرنا نہ کرنا اللہ کے ہاتھ ہے) میں تو اس کی خوشی مناؤں گا۔ تم بتاؤ تم نے کتنے رکھے۔ تم کس بات کی خوشی منا رہی ہو؟ تم نے بھی روزے رکھے، واہ کئی روزوں کا حال تو مجھے معلوم ہے۔ پہلے روزے کو تمہارا جی ہی اچھا نہ تھا۔ اماں جان نے بھی منع کیا ابا جان نے بھی۔ دوسرے اور تیسرے کی مجھے خبر نہیں۔ تیسرا ہی روزہ تو تھا جو ابا جان سے

کسی نے کہا کہ رمضان شریف میں ہیضہ چمک جاتا ہے۔ اس لئے کہ روزہ دار الغم بلغم بڑی بھلی چیز جلیبا پر گاسے جیسوں کی طرح گرتے ہیں۔ تمھارے ابا جان نے آکر منع کر دیا کہ روزہ نہ رکھنا۔ میں تو سمجھتا تھا کہ تم جواب دو گی اور کہو گی کہ روزہ تو سال بھر کی تمام معدہ کی خرابیاں دور کرتا ہے اور مسہل کا کام دیتا ہے۔ اگر ہم احتیاط سے کھائیں پئیں تو روزہ کا کیا قصور۔ مگر تم تو خاموش ہو گئیں اور روزہ نہ رکھا۔ پھر شاید مجھلا روزہ تھا۔ جو تم سب دریا پر سیر کو گئے۔ اس دن کا روزہ یوں گیا۔ پانچ چھ روز کے بعد ایک دن سُنا کہ ڈاکٹر نے منع کر دیا ہے۔ چلو چھٹی ہوئی اب بتاؤ یہ کہ آج تم کو کس چیز کی خوشی ہے۔ رمضان المبارک کا مہینہ جس کی وداع روز عید لائی ہے، تمھارے گھر میں تو آیا نہ آیا برابر تھا۔ اب تم کو عید منانے کا کیا حق ہے؟

نہیں نہیں میری پیاری گڑیا تجھے مجھ سے زیادہ عید منانے کا حق حاصل ہے، میرے روزے بیکار تھے۔ میں نے غیبتیں کیں چغلیاں کھائیں گناہ کئے مگر ننھی بیگم تم ماں باپ کے قبضہ میں تھیں، مجبور تھیں۔ پھر بھی تم نے وہ کیا کہ مجھ پر سبقت لے گئیں۔

عیدگاہ کے میدان میں جب ہزاروں اللہ کے بندے اعلیٰ سے اعلیٰ اور بہتر سے بہتر کپڑے پہنے نہال نہال تھے۔ اس میں وہ بچہ بھی تھا جس کے ما اور باپ دونوں مر چکے تھے اور جس کا کرتا پاجامہ تم نے تیار کیا۔ ننھی بیگم وہ سب سے زیادہ خوش تھا اور اس کی معصوم نظریں اپنے گاڑھے کے کرتے پر اسی طرح پڑ رہی تھیں جس طرح ایک مکھ پتی تاجر کے اکلوتے بچہ کی

ننھی بیگم، بیٹی عید ہماری نہیں تمھاری ہے۔ خدا تمھارے ما باپ کا کلیجہ ٹھنڈا رکھے اور خوش رہو۔

عصمت مئی سنہ ۱۳ء

سہاگن کی عید

یوں تو تاریخ کے ورق ایسے ایسے واقعات سے بھرے پڑے ہیں جن کو دیکھ کر اگر انسان تھوڑی سی بھی عقل رکھتا ہو تو خوف خدا سے کانپ جائے۔ لیکن ہندوستان کی تاریخ میں ہم کو ایک ایسی خاتون کی عید ملتی ہے جس کو پڑھ کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب بابر اور ابراہیم لودھی کی لڑائی جو پانی پت کے میدان میں ہوئی ختم ہو چکی اور اقبال نے فتح کا سہرا بابر کے سر باندھ دیا۔ تو بابر جنوب کی ضرورتوں سے مجبور ہو کر اُدھر روانہ ہوا۔ اور فتح مند شہزادہ ہمایوں اور بیگمات کو پانی پت میں چھوڑا۔

لڑائی کے گیارہویں روز عید آئی۔ ہمایوں کے لشکر کا بچّہ بچّہ اس عید میں باغ باغ تھا۔ کیونکہ یہ دوہری عید تھی۔ ایک تو واقعی عید دوسرے فتح کی عید۔ نماز عید کے بعد اہل دربار اور امرا نے شہزادہ کی خدمت میں نذریں پیش کرنی شروع کیں۔ اِدھر جشن من رہا تھا، اور اُدھر

ابراہیم کے اہل و عیال قید میں پڑے اپنے گذشتہ عروج کو یاد کر کے واویلا کر رہے تھے۔ خیمہ شاہی سے خوشیوں کے نعرے بلند تھے اور جیلخانہ سے حسرت و اندوہ کی صدائیں اٹھ رہی تھیں

اتفاق سے لشکر ہمایونی کا ایک افسر جیل خانہ کے پاس سے گذرا تو اندر سے ایک عورت نے اس کو بُلا کر پوچھا کہ "یہ آج کیا ہو رہا ہے۔ کیا عید کا جشن ہے؟"

شخص "ہاں عید کا جشن بھی ہے اور فتح کا بھی"

عورت "کیا ہو رہا ہے؟"

شخص "نذریں دی جا رہی ہیں"

عورت "بابر کو؟"

شخص "نہیں شہزادہ ہمایوں کو"

عورت "شہزادہ کی خدمت میں عرض کرو کہ ابراہیم کے خاندان کی ایک عورت خدمت میں نذر پیش کرنا چاہتی ہے"

آدمی نے جا کر پیام پہنچا دیا۔ اور تھوڑی دیر بعد آ کر کہا "چل تجھ کو حاضر ہونے کی اجازت مل گئی"

لشکر کا بڑا حصہ بابر کے ساتھ تھا۔ چند ارکین پانی پت میں موجود تھے۔ ہمایوں تخت شاہی پر تھا۔ اور یہ سب اِدھر اُدھر کہ ایک عورت میلی کثیف چادر میں لپٹی ہوئی سامنے آئی۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ چادر سے باہر نکالا اور کہا۔

"آج عید کا روز ہے۔ تیری رعیت اس خوشی میں نذریں پیش کر رہی ہے۔ اجازت دے کہ میں بھی نذر دوں"

ہمایوں نے یہ سُن کر عورت کی طرف نظر اُٹھائی۔ تو اُس نے ایک الماس کی ڈبیہ نکالی اور کہا "یہ کوہ نور ہیرا ہے۔ خدا تجھ کو نصیب کرے میں بدنصیب ابراہیم کی ملکہ ہوں۔"

حاضرین اور خود شہزادہ ہمایوں یہ سُن کر سنّاٹے میں رہ گئے

میری عزیز بہنو! عید کے روز سب سے پہلے اس خدائے واحد کا شکر ادا کرو جس نے تمھارا سہاگ قائم رکھا اور التجا کرو کہ اپنے حبیب کے طفیل سے یہ سہاگ ہمیشہ ہمیشہ قائم رکھے۔ اور اس کی عمر میں برکت دے جس کے دم سے یہ خوشیاں میسّر آ رہی ہیں۔

عصمت سنہ ۲۰ھ

بچوں والے کی عید

عید کے روز جب ہر چھوٹا بڑا بڈھا جوان ہشاش بشاش خوش و خرم تھا اور لوگ نئے اور اجلے کپڑوں میں ہنستے بولتے پھر رہے تھے آنکھوں نے اس والی ملک کا چہرہ دیکھا جس کی سواری میں سینکڑوں غلام موجود تھے۔ اس امیر کی صورت دیکھی جس نے عید کے اہتمام میں ہزاروں روپیہ صرف کیا تھا۔ اس عبادت گذار کی مسرت بھی دیکھی۔ جس نے تیسوں روزے رکھے تھے۔ اس بیگم کو بھی دیکھا، جو بچوں کی بہار پر قربان ہو رہی تھی۔ اور اس کے بعد وہ شخص بھی نظر آیا جس نے عید کا کوئی خاص اہتمام نہ کیا تھا۔ اس کا لباس معمولی تھا، مگر اس کے چہرے سے متانت اور سنجیدگی ٹپک رہی تھی۔ وہ خاموش تھا، لیکن مسرت کی نخوت سے اس کی ہستی بریز تھی۔ اور وہ اس تمکنت میں حق بجانب تھا۔

اس نے عید کا اہتمام کیا تھا۔ مگر اپنے واسطے نہیں۔ اس نے نئے کپڑے سلوائے تھے، مگر اپنے بچوں کے لئے نہیں اس بچہ کے لیے جس کا اہتمام کرنیوالا کوئی نہ تھا۔
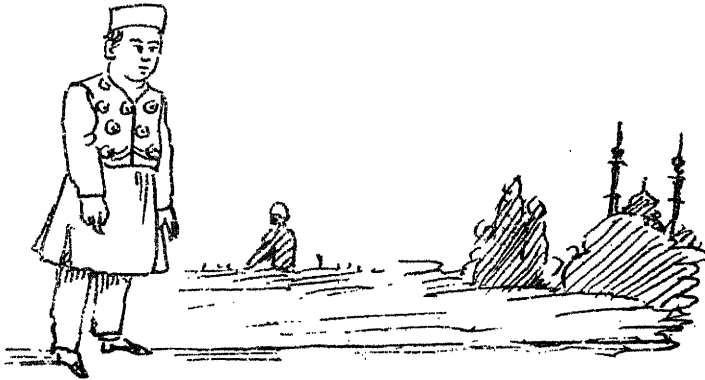
خرید اگر لیں جتنی دعائیں ناتوانوں کی

آج سے پچاس سال قبل جب دنیائے اسلام ترقی کی کوشش تنظیم کی ضرورت اور اصلاح کی دُھن سے قطعاً محروم تھی تو رمضان المبارک کی مقدس راتوں میں سحری کے بعد جب مساجد نمازِ فجر کی دعوت دے چکتیں اور آسمان کروٹ بدل چکتا تھا۔ چاند کی روشنی پھیکی اور تارے مدہم پڑ جاتے تھے تو ٹھیک اُس وقت جب صبا یاسمین کا پہلا بوسہ لیتی تھی شاہجہان آباد کے محلوں میں یہ صدا گونجتی تھی

بچوں کی خیر۔ بچوں والی کی خیر۔ گھر کے مالک کی خیر

موت ان مکینوں کو ابدی نیند سُلا چکی، مگر وہ مکان جنہوں نے یہ منظر دیکھا اور صدا سُنی ابھی موجود ہیں۔ فقیر تھا تو بڈھا۔ مگر آواز میں اس بلا کا کڑاکا تھا کہ پہلی ہی صدا محلہ بھر کو چونکا دیتی تھی۔ نورِ ظہور کا وقت رمضان کے پاک دن۔ بچوں کا نام سُنتے ہی، بچوں والیاں، بچوں والی کا نام سنتے ہی گھر والے اور مالکوں کا نام سُن کر گھر والیاں اس لیے تڑپ اُٹھتی تھیں کہ اس وقت دنیا کچھ اور ہی تھی۔ اور اس کا لُطف اگر کوئی بچا کھچا بڈھا ٹھڈا موجود ہے۔ تو اس کا دل جان سکتا ہے۔ یہ وہ

دنیا تھی جس کا ہر ذرہ روحانیت کی شمیم انگیزیوں سے معطر تھا۔ مرد اور عورتیں ہی نہیں بچے بھی بازار حیات کی جنس گراں قدر یعنی دستگیری نا تواناں پر پروانہ وار کرتے تھے۔
آیہ مقدس کی تعمیل اور حدیث قدسی کی تکمیل میں اُن کی گردنیں خم تھیں۔ ان کا ایمان تھا کہ دسترخوان کی وسعت برکت کا سبب اور ان کا یقین تھا کہ " صدقہ ردِ بلا " " فلا تقہر " کے معنی میں تفسیر و تاویل کے متلاشی نہ تھے۔ اور نہ سائل کے سوال پر جائز و ناجائز کے جویا۔ ان کا دل بہتر مفتی اور ان کی آنکھیں بہترین شاہد یہ تھے وہ اسباب کہ محلہ کا ہر دل بھورے میاں کی صدا کا استقبال کرتا۔ اور بھورے میاں کیا، ناممکن تھا کہ کوئی سائل کسی دروازے سے خالی جائے یہ وقت کی برکت اور دینے والوں کی نیت تھی کہ ان دنوں میں فقیروں کا یہ زور بھی نہ تھا۔ اور ایسے ہٹے کٹے موٹے تازے، جو آج مسلمانوں کی احتیاط نے پیدا کر دئیے ہیں۔ اس وقت موجود نہ تھے۔
دل کے ٹکڑے اُڑ جاتے ہیں، جب خیال کرتا ہوں کہ ترقی کے نعروں میں قوم کیا سے کیا ہو گئی۔ اور ایک پچاس سال کے عرصہ میں آسمان اور زمین سب بدل گئے۔ آج گولے اور دھولے افطار کا مژدہ روزہ داروں کو سناتے ہیں، اور یہ ابتدا تو ہی ہے کہ جب مسلمان ترقی کی منزل اعلیٰ پر پہنچیں گے، تو اُن کا روزہ ترقی اور گھنٹوں کی آواز پر کھلے گا۔ جب یہ مبارک وقت آئے، تو مسلمان خدا کی شان دیکھیں کہ لائف آف محمدؐ کا مصنف ولیم میور جیسا عیسائی تو یہ کہے کہ
جب صبح کی اذان ہوا میں گونجتی ہے تو خواہ مخواہ دل پر چوٹ لگتی ہے اور نماز پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ مسلمانوں نے یہ وہ طریقہ اختیار کیا کہ جس کے سامنے ہمارے ناقوس وغیرہ سب ہیچ ہیں۔
اور مسلمان روزہ جیسی افضل عبادت کو اذان پر مشروط نہ کریں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ دور حاضرہ کا ہر روز میرے اس خبط کا مضحکہ اُڑائے گا میں بھی

سمجھتا ہوں کہ اس لئے کہ مسلمان ترقی کر رہے ہیں، وہ حق رکھتے ہیں کہ ان باتوں کو لغو سمجھیں اور لچر خیال کریں۔ مگر میں بھی اپنے دل سے مجبور اور طبیعت سے لاچار ہوں۔ اس واسطے اتنا کہہ کر

حالی کی اور سُن لو صدائے جگر خراش دلکش صدا نہ آئیگی اب اس صدا کے بعد

آج سے نصف صدی پیشتر کے رمضان کا ایک منظر دکھادوں اور بتادوں کہ تنزل کیا تھا اور ترقی کیا ہے۔

لیجئے یہی رمضان شریف کے دن ہیں اور کیسے دن کہ صبح ہوتے ہی ادھر آفتاب آگ برساتا ہوا نکلا، اُدھر زمین سے شعلے بلند ہوئے۔ اب آپ اس سرے سے اس سرے تک مسلمان گھروں پر نظر ڈال جائیے آپ کو ایک مسلمان گھر کسی محلہ میں ایسا نہ ملے گا، جہاں قبل از ظہر دھواں اُٹھتا ہوا دکھائی دے۔ یہ بے بچوں کے گھر نہیں ہیں۔ ان میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں موجود ہیں۔ مگر ماؤں نے سحری کے ساتھ ہی ان بچوں کا انتظام کرلیا۔ اور وقت پر کھانا کھلادیا۔ لیکن کسی طرح یہ یقین دلا کر کہ آسمان کے نیچے نہ کھانا فرشتے لعنت بھیجیں گے۔ بچے کھا پی باہر نکلے تو اس طرح کہ کلّی کی اور منھ دھویا اور روزہ داروں کی صورت بنائی، یہ سات سات آٹھ آٹھ برس کے بچے ہیں۔ مگر ابھی سے رمضان کا احترام ان کے دلوں میں اچھی طرح سے بٹھادیا گیا ہے۔

سیانی لڑکیوں نے دس گیارہ بجے دالیں بھگودیں۔ دوپہر کے بعد پکانا ریندھنا شروع کیا۔ کڑاہیاں چڑھ گئیں ایک دال بنا رہی ہے، دوسری پھلکیاں تل رہی ہے تیسری دہی بڑے تیار کر رہی ہے۔ آج احتیاط کے دنوں میں تو سننے میں آجاتا ہے کہ الغم بلغم کھا گئے۔ تخمہ ہوا۔ ہیضہ ہوا۔ مگر اس وقت کچھ نہ تھا۔ اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مصالحہ کا وزن اتنا ہوتا تھا کہ پتھر بھی ہضم کردے۔

تکلیف تو ہوگی مگر مسلمانوں کی خاموش تنظیم ملاحظہ فرمایئے۔ اور اس کے بعد خواہ

روئے یا ہنسے۔

افطاری تیار ہوئی کھانا پک گیا۔ تو گھر سے علی قدر حیثیت مساجد میں پہنچ گیا۔ افطار سے آدھ گھنٹہ قبل محلہ کی رانڈ عورتیں اور یتیم بچے مسجدوں میں آ جمع ہوئے ایک طرف برقع والیوں کی قطار ہے۔ دوسری طرف بچوں کی۔ مسجد کے متولی ہر عورت اور ہر بچہ سے اچھی طرح باخبر ہیں۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ پردہ نشین عورتیں در در ہاتھ پھیلانے والی نہیں۔ افطاری اور کھانا سب کو تقسیم کر دیا۔ صرف بچوں کے واسطے ایک چیز روک لی۔ ادھر افطار کا وقت ہوا ادھر وہ بھی حوالہ کی بچے اذان کی آواز سے بھاگے اور یہ کہتے ہوئے دوڑے:۔

روزے والیوں روزہ کھولو۔

محلہ بھر میں افطاری بھی پہنچ گئی اور کھانا بھی۔ دینے والے کا احسان نہ لینے والے کو عار۔ آج افطار کے واسطے گولہ چھٹتا ہے، اور وہ نظام فنا ہو گیا لیکن جس وقت میری آنکھیں افطار کے وقت کسی برقع والی کو سبیل کے پانی سے روزہ کھولتی دیکھتی ہوں گی تو مجھ پر کیا گذرتی ہو گی۔ خدا بہتر جانتا ہے یہ مسلمانوں کا دور ترقی ہے۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم میں کیا کہہ رہا تھا اور کہنے لگا۔

ہاں صاحب وہی پچاس برس پہلے کی دنیا ہے جس میں پرانے زمانہ کی بڑھیاں چاروں طرف آباد ہیں کہ دفعتہً حسینۂ مغرب کے نازک قدم پہنچے اور اس کی کا فراداؤں نے اپنا تسلط جمانا شروع کیا جس محلہ کی تنظیم آج بھی خون کے آنسو رلاتی ہے، اس میں ایک صاحب مولانا نصیر تھے۔ جوانی ڈھل چکی تھی مگر محبوبۂ دلنواز کی صورت دیکھتے ہی لٹو ہو گئے اور ایک دو سال میں ہی وہ کایا پلٹی کردہ گھر رہا نہ گھر والے۔ وہ جس کے باپ دادا نے مسجد کے پھٹے ہوئے ٹاٹ اور ٹوٹے ہوئے بوریوں پر درس لیا

اور دو باچنے کی دال کے قلیئے اور تندور کی روٹیوں سے پیٹ بھرا جنا کی ریت اور سجی سے کپڑے دھوئیے اور جمعہ پڑھا اب خدا کی شان ایسا پلٹا کہ آرام کرسی کے بغیر بیٹھنا حرام۔ میز نہ ہو تو کھانا اور کالر نہ ہو تو نکلنا ناممکن، یہ بھائی نصیر کا دور اولین تھا۔ مگر ابھی تھوڑی بہت بزرگوں کی آن باقی تھی شمس العلماء کی نظریں ایسی کلیجہ کے پار ہوئیں کہ سینہ اور پھیپڑا تلی اور اوجھڑی چھلنی کر دی۔ بڈھے ملازم مرزا کی جگہ بوائے نے لی گنیش رتھ بان کے بدلے کوچمین آیا اور داروغہ کا نام منیجر ٹھیرا۔

نصیر کے باپ دادا کہنے کو نوٹاٹ تھے۔ مگر پنجابی کٹرہ کی مسجد جس کا اب وجود بھی نہیں زندہ ہوتی تو شہادت دیتی کہ متواتر چالیس اور پچاس سال ایسے گذرے ہیں کہ کوئی شام ایسی نہ آئی کہ بیسیوں بندگانِ خدا نے اس میں بیٹھ کر اپنا پیٹ نہ بھرا ہو۔ یہ ان ہی مرنے والوں کا طفیل تھا کہ دومن روزانہ کا لنگر تقسیم ہوتا اور بھوکے آتے والے پیٹ بھر کر سوتے

(۱)

عید الفطر کی صبح کو بچے دو گھڑی رات رہے اٹھ بیٹھتے ہیں۔ لڑکے اپنے اُجلے کپڑے دیکھ کر اور اپنی جوتیاں دکھا دکھا کر خوش ہو رہے ہیں۔ لڑکیاں اپنے لال لال ہاتھ دیکھتی اور دکھاتی پھر رہی ہیں۔ گھر والیوں نے پانی گرم کر کے چولھوں پر سوئیاں چڑھا دیں اور نمازوں میں مصروف ہوئیں۔ مرد نماز فجر سے فراغت ہو گھر آئے غسل کیا۔ ماؤں نے بچوں کو نہلایا۔ مردوں کے کپڑے ٹھیک ٹھاک کر پہلے ہی الگنی پر ڈال دیئے۔ پہلے انھوں نے کپڑے بدلے۔ بچوں کو ماؤں نے پہنائے۔ دسترخوان بچھا۔ اس دسترخوان پر کوئی چیز ایسی نہیں ہے، جو پڑوس کے یتیموں اور رانڈوں تک نہ پہنچی ہو۔ اور وہ اس طرح کہ گھر والی نے پہلا کفگیر پتیلی میں بسم اللہ کہہ کر اللہ کے واسطے ڈالا ہے۔ اور جب وہاں پہنچ چکی ہے تو شوہر اور بچوں کو دیا ہے۔ مرد اور بچے کھا پی عید گاہ گئے۔ تو آپ غسل کیا کپڑے بدلے کھانا کھایا۔ اور حصے بھیجنے شروع کئے۔ دن بھر غریب معصوم اور یتیم اور رانڈوں کا تانتا

لگا ہوا ہے۔ یہ وہ محلہ ہے جس میں کوئی بیوہ بھوکی اور کوئی یتیم ننگا نظر نہ آئے گا۔ بچوں والیوں نے اپنے بچوں کی سلامتی کے واسطے ان کے ساتھ یتیموں کے کپڑے سئے ہیں اور شوہروں کی درازیٔ عمر کی دعائیں رانڈوں کے زخمی دلوں سے لی ہیں۔ مرد عیدگاہ سے لدے پھندے لوٹے گھستے ہی سلام و علیک کی۔ لڑکے عاجزی کے کندھے ماؤں کے سامنے جھکا کر گلے سے لگ گئے۔ اب مٹھائی اور کھجوریوں کے حصے بٹنے شروع ہوئے غریب رشتہ داروں میں بچہ بچہ کا الگ رکھا کہ کچھ خیال آیا اور بیوی شوہر کی طرف دیکھ کر کہنے لگی

"اے ہے خبر نہیں۔ کیسا جی ہے کہ خالہ وحیدن نہیں آئیں۔ بڑھاپا اور تیسوں روزے اچھی تم ذرا ان کا حصہ بھی دے آؤ اور خیر صلاح بھی پوچھ لو"

(۲)

غدر ۵۷ء کے بعد وہ پہلا مسلمان جس نے وادیٔ تنزل کو ٹھکرا کر میدان ترقی کی طرف قدم رکھا نصیر تھا۔ یہ کہنا مشکل بھی ہے اور شاید نامناسب بھی کہ ترقی کے اس ساعی انسان نے روزے رکھے یا نہ رکھے اور رکھے تو کتنے رکھے۔ مگر ہاں وہ آثار جو اس کے گھر سے نمایاں ہوئے ان میں ایک یہ تھا کہ ۲۹۔ رمضان المبارک کی شام کو جب وہ ساعت آئی کہ آسمان شاہ جہاں آباد مسلمانوں کو ہلال عید کا مژدہ سنائے تو کسی گھر کی چھت ایسی نہ تھی جہاں کچھ مسلمان آنکھیں بلند کئے نہ ہوں البتہ اس بد تہذیبی سے نصیر کا گھر محروم تھا۔ چاند نمودار ہوا اور سلام و علیک کی صداؤں سے محلہ گونج اٹھا۔ افسوس یہ ہے کہ باوجود اس کوشش کے یہ پتہ بھی نہ چل سکا کہ میاں نصیر عیدگاہ گئے یا نہ گئے۔ سویاں پکیں یا نہ پکیں، مگر گھر کی درستگی یا ظاہری ٹیپ ٹاپ بہت کچھ تھی۔ نوکروں کی وردیاں میز کرسیوں کے رنگ و روغن۔ پھولوں کے گلدستے سگار سگریٹ وغیرہ ضرور استقبال عید کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں تھیں جو روز عید کا پتہ دے رہی تھیں۔ آدمیوں کی آمد و رفت جاری تھی اور ان کی خاطر و مدارات بھی اچھی طرح ہوتی تھی۔ مگر یہ سب آنے جانے والے اسی رنگ اور ڈھنگ کے

لوگ تھے اور سب کھانے پینے میں خوش حال تھے۔ چار اسی آرچار بیں بج گئے۔ اب صاحب ڈپٹی کمشنر کی آمد کا غلغلہ بلند ہوا۔ نصیر اور اس کے احباب نے سڑک تک استقبال کیا اور ہاتھوں ہاتھ لائے۔ میزیں انواع و اقسام کے میووں سے پٹی پڑی تھیں۔ چائے پانی کے بعد صاحب رخصت ہونے لگے۔ تو نصیر نے ایک بیش قیمت سنہری ہار ان کے گلے میں ڈالا۔ اور چپڑاسیوں کو نقد انعام اور جوڑے دیکر رخصت کیا۔

اس کامیابی پر ہشاش بشاش نصیر زنانہ میں جاکر بیٹھا۔ خوش تھا مطمئن تھا۔ مگن تھا کہ خالہ وحیدا نصیر کے باپ کی قریبی عزیزہ داخل ہوئیں مگر بن کر بگڑی تھیں۔ اس لیئے وہ نمونہ تھیں انقلاب کا۔ درس تھیں عبرت کا اور مثال تھیں قہر بار ہی کی جس نے بیسیوں کا پیٹ بھرا وہ آج دو دو دانوں کو محتاج تھی اور جس کے دستر خوان پر غیروں نے کھایا، وہ دردر کی ٹھوکریں کھا رہی تھی۔ وہ اس فانی دنیا میں کئی بچوں کی ماں بنی۔ مگر ماں رہ نہ سکی اور برابر کے لڑکے لڑکیاں آنکھوں کے سامنے اٹھے اور اب زندگی کی آخری گھڑیاں بیٹے اور بیٹی کی دو نشانیوں کی خدمت میں بسر کر رہی تھیں

بدنصیب وحیدا نے روز عید کا بڑا حصہ دونوں بچوں پوتے اور نواسی کو کلیجے سے لگائے بسر کر دیا۔ ہر چند چاہا کہ باہر نکلے۔ مگر غیرت نے اجازت نہ دی کہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلائے۔ تینوں دموں کا گذارا خیرات پر تھا اور صبح کے واسطے مسجد اور محلہ سے کھانا آچکا تھا۔ لیکن شام کے وقت جب نو برس کے پوتے نے دادی کے گلے میں ہاتھ ڈال کر روتے ہوئے کہا اماں ہم کو نورو زمار پٹتی ہے۔ تم نے کہا تھا عید کو سلیٹ منگا دوں گی۔ تو وحیدا بے چین ہو گئی۔ بچہ کو چمٹا لیا۔ اور اچھا کہہ کر پوتے کا ہاتھ پکڑا۔ باہر نکلی تو خیال آیا نصیر سے کہوں گی وہ سلیٹ منگوا دے گا۔ یہ سوچ کر آگے بڑھی۔ اور گھر پہنچی۔ اندر داخل ہوئی تو نصیر سامنے تھا۔ وحیدا کی صورت دیکھتے ہی نصیر کی تیوری پر بل آگیا۔ اور اس سے پہلے کہ خالہ کچھ کہتی کہنے لگا:۔

" تم لوگوں نے بہت پریشان کر رکھا ہے بھیک مانگنے پر کمر باندھی"

ایک بجلی تھی جو غیرت مند بڑھیا پر گری دھم ہو گئی۔ بس نہ چلتا تھا کہ زمین شق ہو اور سما جائے۔ حاجت مند آنکھیں اوپر اٹھیں اور ٹھیک اس وقت جب وحیدا کی آنکھ سے آنسو کا پہلا قطرہ گرا، اس کے کانوں نے نصیر کے قہقہہ کی آواز سنی۔ بچہ کا ہاتھ ہاتھ میں لیا۔ اُلٹے پاؤں واپس ہوئی دل اُمنڈ رہا تھا اور آنسو کسی طرح نہ رُکتے تھے۔ ہر چند چاہا کہ ضبط کرے۔ مگر نہ کر سکی۔ سڑک کے ایک کونہ میں بیٹھ کر بچہ کو کلیجے سے لگائے رو رہی تھی کہ برابر سے آواز آئی "خالہ خیر صلاح" یہ اس شوہر کی آواز تھی جس کو بیوی نے حصہ لے کر بھیجا تھا۔

آنسو پونچھے اور کہنے لگی "ہاں میاں اللہ کا شکر ہے"

نیک بی بی کا مسلمان شوہر مضطرب ہو گیا۔ اور کہا "چلیے۔ تھوڑی دیر کے واسطے میرے ہاں چلیئے"۔ انکار کیا مگر جب زیادہ اصرار ہوا تو ساتھ چلی۔ گھر میں گھسی تو گھر والی کی صورت دیکھتے ہی دل بھر آیا۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور ساری رام کہانی سنائی تو سننے والی بھی ساتھ روئی اور چپکے سے میاں کو بھیجکر سلیٹ منگوائی۔

جس وقت بچے کے ہاتھ میں سلیٹ آئی اور اس نے خوش ہو کر سلام کیا اس کی قیمت تو دینے والی ہی سے پوچھئے۔ مگر اتنا ہم نے بھی دیکھا کہ بڑھیا وحیدا کی حاجتمند آنکھیں جس طرح نصیر کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ اسی طرح اس کے چہرہ پر بھی پڑیں۔ اور زبان سے یہ لفظ نکلے :-

"الٰہی بچی خوش رہے"

۲۵ء

ترکن ماما

رمضان کا مبارک مہینہ ختم ہو چکا۔ وہ راتیں جن میں آسمانی برکتیں زمین کے مسلمانوں پر نازل ہوتی تھیں ایک ایک کرکے رخصت ہو گئیں جن مسجدوں میں آدھی آدھی رات تک چہل پہل رہتی تھی وہ کل سے سونی پڑی ہیں۔ مگر بستی کے رہنے والے آج چاروں طرف اچھل کود رہے ہیں۔ ان کے زرق برق لباس ان کے غیر معمولی اخراجات ہاں کا ہاتھ ہلانا اور گلے ملنا مسلمانوں کی عید کا پتہ دے رہا ہے۔ عید کا چاند جس کے آسمان پر نمودار ہونے کی ایک دنیا منتظر تھی نظر آتے ہی ایک پیغام لایا جس نے تمام روئے زمین کے مسلمان گھروں میں خوشی کا ڈنکا بجا دیا۔ پردیسیوں نے اس خیال سے کہ عید بیوی بچوں میں منائیں گھر کی شدھ باندھی، مردوں نے صبح کے واسطے ساز و سامان لانا شروع کیا۔ عورتیں گھر کی آرائش میں مصروف ہوئیں لڑکیوں نے مہندی لگائی۔ بچوں نے صبح کے انتظار میں گھڑیاں گنیں۔ حلوائیوں نے رات بھر کڑھاؤ چڑھائے اور خدا خدا کر کے شبِ انتظار ختم ہوئی۔ مؤذن نے اللہ اکبر کی صدا دی اور خوشیوں بھرے دن کے آنے کی اطلاع پہنچائی

نمازی مسجدوں میں پہنچے بچے آنکھیں ملتے اٹھ بیٹھے اور آناً فاناً گھر اور گھر والے

بن سنور کر چوتھی کی دلہن بن گئے

اس وقت ہمارے سامنے ہندوستان کے پایہ تخت شاہجہان آباد کے اس مشہور خاندان کی تصویر ہے جس نے عید منانے میں ہزاروں روپیہ صرف کئے ہیں۔ دنوں پہلے محلسرا کی سفیدی ہوئی۔ آرایش کا سامان لگایا گیا۔ گملے سجائے اور پودے لگائے گئے۔ ریشمین اور کارچوبی جوڑے تیار ہوئے پرانے زیور اجلے ہوئے اور نئے ڈورے پڑے اور عید کی صبح نے سارے گھر پر خوشی کا مینھ برسا دیا

اس گھر کی مالک بیگم نے جس کے آگے تین تین مغلانیاں اور ایک ترکن پیش خدمت ہے رات بھر بیٹھ کر اپنے ہاتھ سے بچہ کا کرتہ تیار کیا ہے۔ آدھی رات کے سنسان وقت میں جب نیند کا جادو تمام دنیا پر چل گیا تھا ایک نازک مزاج بیگم کا بیٹھ کر کام کرنا ایک ایسا راز تھا جس کو قدرت ہی حل کر سکتی تھی۔ کرتہ کا ہر حصہ اور سوئی کا ہر ٹانکہ مامتا کا معمہ سلجھا رہا تھا۔ آسمان کی گود میں دن بھر کے چھوٹے موٹے تارے ٹوٹ رہے تھے اور ترکن جو آج سے چند مہینے پہلے قسطنطنیہ سے بلائی گئی تھی خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھ رہی تھی

ہوا ٹھنڈی ہوئی نسیم نے چلنا شروع کیا۔ پھول کھلنے لگے اور بلبل خوش الحان پائیں باغ میں چہک چہک کر عید کا ترانہ گانے لگی بیگم نے سوئی تاگا چھوڑا بچوں کو نہلا دھلا کر کپڑے پہنائے سوئیاں پکوائیں۔ دودھ منگوایا عیدیاں دیں۔ اور تھوڑا کھانا کھلا کر میاں اور بچوں کو عیدگاہ روانہ کیا۔ گھر میں جھاڑو بہارو دلوائی۔ میز کرسیاں قرینے سے رکھوائیں اور دم بھر میں گھر چندن بن گیا برس کا برس دن تھا اور بیگم اپنے فرائض سے فراغت پا کر منتظر بیٹھی تھی۔ اس وقت کی جب شوہر کی صورت دل و دماغ کو ترو تازہ کر دے۔ اور دونوں بچے آ کر گلے سے لپٹیں اور یہ دنیا بھر کی کلفتوں کو بھلا دیں۔ اس وقت کا زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ مٹھائی اور کچوریوں کی ٹوکریاں نظر آنے لگیں۔ شوہر ہاتھ ملا کر آرام کرسی پر بیٹھا اور بچوں نے جھک جھک کر باہیں ماں کے گلے میں ڈال دیں میراسنوں نے گانا شروع کیا ماماؤں نے مبارکبادیں دیں اور چاروں طرف سے مبارک سلامت کی دھوم ہو گئی۔

اس وقت خدا کی رحمت اس گھر پر نازل ہو رہی تھی، یہ چھوٹا سا گھر جنت کا ایک نمونہ تھا جہاں ہر زندگی پُرلطف اور ہر دل شاد و بشاش تھا بیگم کی محبت بھری نظریں جس وقت بچوں پر پڑتی تھیں اس کا دل باغ باغ ہوتا تھا۔ اب بیگم نے اپنے شوہر اور بچوں کی سلامتی کے واسطے خیرات شروع کی اور اس کے بعد عزیز و اقارب کو عید کے حصے اور عیدیاں بھیجیں۔ مگر اسی گھر میں ایک دوسرا منظر بھی تھا اور وہ اُس غریب مصیبت ماری ترکن کا دل تھا جس پر مختلف قسم کی کیفیتیں طاری تھیں اور گذرا ہوا زمانہ کلیجہ پر نشتر لگا رہا تھا وقت جھٹ پٹا تھا۔ اور آفتاب نے خوشیوں بھرے دن کا بڑا حصہ ختم کر کے صرف رات چھوڑ دی تھی کہ بیگم کی نظر اسی ماما پر پڑی۔ لیمپ کی روشنی اس کے چہرے پر تھی اور حسن کا مرجھایا ہوا پھول اس حسرت و یاس کا پتہ دے رہا تھا، جو ہر پنکھڑی میں بس رہی تھی۔ آنسو رخسار پر بہہ رہے تھے اور ٹھنڈے سانس چھوٹے موٹے عزیزوں کی یاد تازہ کر رہے تھے۔ ہندوستانی بیگم جس کا آج ہر لمحہ خوشی میں بسر ہوا اور جو دنیا کے انقلاب سے بالکل ناواقف تھی ترکن کو روتا دیکھ بہت متحیر ہوئی۔ اور آخر وہ وقت آگیا کہ مصیبت ماری ترکن نے اپنی داستان اس طرح بیان کی۔

"بانوئے محترم! آپ کا سہاگ ہمیشہ قائم رہے اور خوشی کی گھڑیاں شب و روز نصیب ہوں۔ خدا آپ کے بچوں کی عمر دراز کرے۔ آپ کا کلیجہ ٹھنڈا اور دل خوش و خرم رہے۔ بیگم میں قسطنطنیہ سے پچیس کوس دور مقام صفرجہ کی رہنے والی ہوں۔ مجھ پر جو ناگہانی مصیبت آ کر پڑی، وہ آپ کا دل ہلا دے گی۔ بلغاری جس وقت ایڈریا نوپل فتح کر چکے تو سب سے قریب ہمارا گاؤں تھا۔ ورّانہ گھس آئے۔ اور قتل عام شروع کر دیا۔ آج پورے دو مہینہ ہوئے میرا شوہر اور تین بچے میری آنکھوں کے سامنے بکریوں کی طرح ذبح کر دیئے گئے، بیگم آباد گھر اجاڑ اور بھری گود خالی ہو گئی جس گھر میں دو دو مامائیں موجود تھیں۔ آج اس کی مالک تمہاری ماما ہے اور جس کلیجہ سے تین لال کر چمٹتے تھے آج سنسان پڑا ہوا ہے۔ وہ کلیجہ کے ٹکڑے گھر کی بستی آنکھوں کے تارے جن کی تصویر آنکھ کے سامنے پھر رہی ہے بدنصیب ماسے ہمیشہ کو چھوٹ گئے، اے بیگم دکھیاری ماکو

یہ بھی معلوم نہیں کہ ان چاند سے مکھڑوں کو کہاں قبر نصیب ہوئی اور وہ ہڈیاں جن کو دیکھ دیکھ کر چلوؤں خون بڑھتا تھا کہاں دبائی گئیں۔ بیگم ایک لمحہ بھی ان معصوموں کی یاد سے خالی نہیں جاتا۔

آج برس کا برس دن ہے دنیا بھر کے مسلمان خوشیاں منا رہے ہیں۔ خدا سب کی مامتا ٹھنڈی رکھے۔ بیگم میں نے تمہارا نمک کھایا اللہ تم کو دن عید رات شب برات کرنی نصیب کرے۔ دل میں وہم نہ لایئے خدا گواہ ہے میں آپ کے بھرے پورے گھر میں بچوں کو اس وقت یاد کر کے نہیں روتی، ان معصوموں کا بس اتنا حق تھا کہ جب سب کے بچے پہن اوڑھ کر عیدگاہ جا رہے تھے میں نے آنسوؤں کے دو قطرے اپنے لالوں کو عیدی دی۔ بیگم جو مال خدا کی راہ میں لٹ چکی اب اس کا ملال کیا۔ بڑا نازک وقت تھا وہ وقت جب دشمن خدا کے گھروں میں گھس کر مسلمان بہنوں کی پردہ دری کر رہے تھے۔ جہاں تکبیروں کی آوازیں اور اذان کی صدائیں گونجتی تھیں وہاں کافروں کے ڈیرے لگے۔ بی بی اس وقت کا خیال کیجئے جب پردوں میں بیٹھنے والیاں اپنی عصمت بچانے کے لیے چاروں طرف بھاگتی پھرتی تھیں اور ننھے ننھے سے بچے جو ہمک ہمک کر کلیجوں سے چمٹتے تھے آنکھوں کے سامنے تڑپ تڑپ کر مر رہے تھے۔ بیگم یہ کلمے کے شریک بہن بھائی جو اسلام کی ایک زنجیر میں جکڑے ہوئے تھے ایسی مصیبت میں گھرے کہ دشمن بھی وہ وقت نہ دیکھے۔ ہم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کن آنکھوں سے اور کس دل سے یہ دیکھتے کہ مسجدیں جل رہی ہیں اور ظالم یہ غضب ڈھا رہے ہیں۔ ہمارا فرض تھا اور ہم نے پورا کیا کہ اپنے لال اسلام کی نذر کیے۔ اور سر کے سرتاج بھینٹ چڑھائے بیگم ہمارے محلہ کی ساڑھے چار سو کے قریب عورتیں خانماں برباد ہو کر دو دو دانوں کو محتاج ہو گئیں۔ میں اپنے کو نہیں روتی ان بہنوں پر رو رہی ہوں جن کے کلیجوں پر چھریاں چل گئیں۔ جو رانڈیں ہو گئیں جن کا سہاگ اجڑ گیا جن کی کوک مانگ برباد ہو گئی اور جو آج بے یار و مددگار ان جنگلوں میں پڑی ہوئی ہیں جہاں آسمان کے سوا کوئی سایہ اور زمین کے سوا کوئی گھر نہیں، درختوں کی چھال ان کا کھانا ہے اور گھاس ان کا بچھونا۔ متواتر فاقوں نے ان کی صورتیں بگاڑ دیں، اور اب وہ بیٹھی بیٹھی دعا کر رہی ہیں

دوگانی عید

مجھے یہ کہنے میں مطلق باک نہیں کہ افضال نے مقدور بھر میری خاطر داری میں کبھی کسر نہیں کی۔ وہ جس طرح اپنے والدین کا فرمانبردار لڑکا تھا۔ اسی طرح مجھ سے محبت کرنے والا شوہر، مگر ساس نندوں کی اذیت میرے واسطے جگر خراش تھی۔ میں نے کئی دفعہ افضال سے کہا کہ وہ الگ ہو جائے۔ مگر اس نے میری اس خواہش کو بیدردی سے ٹھکرایا ساس نندوں کی تکلیفیں چونکہ روز بروز بڑھ رہی ہیں، مجبوراً میں میکے چلی آئی اور مصمم قصد کر لیا کہ خواہ افضال بگڑے یا رضامند ہو اب اس گھر میں نہ جاؤں گی۔ پندرہ روز بعد عید آئی ایک دن پہلے افضال میرے پاس آیا۔ محبت سے کہا منت سے کہا مگر میں جو قصد کر چکی تھی اٹل تھا۔ صاف جواب دے دیا کہ اس گھر میں ہرگز نہ جاؤں گی۔ افضال اپنی کوششوں میں ناکام ہو کر اٹھ کھڑا ہوا چلتے وقت اس نے حسرت سے میرے چہرے پر نظر ڈالی اور کہا کل دنیا میں عید ہے مگر ہمارے ہاں محرّم رہے گا کپڑے بدلوں گا نہ عیدگاہ جاؤں گا۔ میں نے اس کی بھی پرواہ نہ کی اور وہ خاموش چلا گیا۔

صبح کو عید تھی۔ ابّا جان کے اصرار سے میں نے بھی کپڑے بدل لیے۔ ابا جان نے عیدگاہ

چلتے وقت مجھ سے کہا بیٹی تو کیوں خاموش ہے مجھے کیا افضال کی پرواہ ہے میرے پاس جو کچھ ہے وہ کس کا ہے مجھے تو بیٹا بھی تُو اور بیٹی بھی تُو، تُو اپنا دل میلا نہ کر میرا دن گھر میں ہنستے بولتے گذر گیا۔ میرا خیال تھا کہ افضال ضرور آئے گا مگر وہ نہ آیا۔ سوچا کہ شاید رات کو آئے لیکن یہ خیال بھی غلط نکلا۔ نو بجے ہوں گے کہ میری استانی صاحبہ تشریف لائیں اور سیدھی میرے کمرے میں پہنچ کر کہنے لگیں

"بیٹی رضیہ ساس کی زندگی ایسی دوبھر ہو گئی کہ برس کے برس دن اپنا گھر اور تیوہار سب برباد کیا۔ یہ درست ہے کہ تم ماں کی لاڈو اور باپ کی چہیتی ہو لیکن یہ لاڈ پیار نہیں زہر قاتل ہے۔ اگر افضال کے دل میں یہ گرہ پڑ گئی تو عمر بھر روؤ گی اور کوئی سلجھانے والا نہ ہوگا۔ ماں اور باپ اپنی اپنی عمریں پوری کر کے رخصت ہوں گے۔ پالا افضال ہی سے پڑے گا۔ مناسب تھا کہ اس کے دل میں وہ گھر کرتیں جس میں عمر بھر راج کرنا نصیب ہوتا، نہ کہ ایسی گتھی پڑتی جو قیامت تک نہ سلجھے۔ افسوس ہے تمھاری ماں اور باپ دونوں پر کہ اتنی موٹی بات نہ سمجھے۔ اور کولے سے لگا بیٹھے۔ بیوی گذارہ ماں باپ کے ساتھ نہیں۔ شوہر سے کرنا ہے دولت کا ڈھیر بھی ہو تو خاک ہے غضب خدا کا عید کا دن اور بدنصیب افضال کپڑے بدلے نہ عید گاہ جائے۔ ابھی شادی کو آٹھواں مہینہ ہی تو ہے کہ یہ بجوگ آن پڑا۔ تم ساس کی صورت سے بیزار ہوتی ہو مگر یہ بھی تو کہو کبھی تم کو بھی ساس بننا ہے یا نہیں۔ کیا تمھارا یہ خیال صحیح ہے کہ افضال ماں باپ کو چھوڑ چھاڑ کر تمھارا کلمہ پڑھنے لگے۔ یہ تمھاری کامیابی نہیں بدنامی ہے، اور جو آج ماں کا نہیں، وہ کل تمھارا بھی نہ ہوگا۔ اٹھو کپڑے بدلو۔ میں ڈولی لاتی ہوں"۔

استانی جی کا کہنا پتھر کی لکیر تھا۔ وہ ڈولی لائیں اور میں اماں سے

کہنے لگی تو اُنھوں نے کہا "تمھاری خوشی جس میں تم راضی اس میں ہم"۔
اُستانی صاحبہ "نہیں جناب یہ خوشی نہیں۔ عداوت ہے۔ جو آپ بیٹی کے ساتھ کرتی ہیں۔ بیاہی بیٹی سسرال ہی بھلی"۔

میں اور اُستانی صاحبہ گھر پہنچے۔ تو اُنھوں نے مجھ سے کہا پہلے ساس کے سلام کو جاؤں۔ میں گئی اور سلام کیا تو گو وہ مجھ کو بعض دفعہ طعنے دے دیتی تھیں۔ میری صورت دیکھتے ہی اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ کلیجے سے لگایا اور کہنے لگیں "بیٹی ہم سے کیوں ناخوش ہوتی ہو اور چند روز کے مہمان ہیں۔ افضال تمھارا مال ہے تم کو مبارک ہو"۔ اتنا کہہ کر اُن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اب میں اپنے کمرے میں آئی اُستانی صاحبہ نے دروازہ کھولا افضال کچھ جاگتا تھا کچھ سوتا کہ اُنھوں نے کہا "لو میں تمھاری دلہن لے آئی"
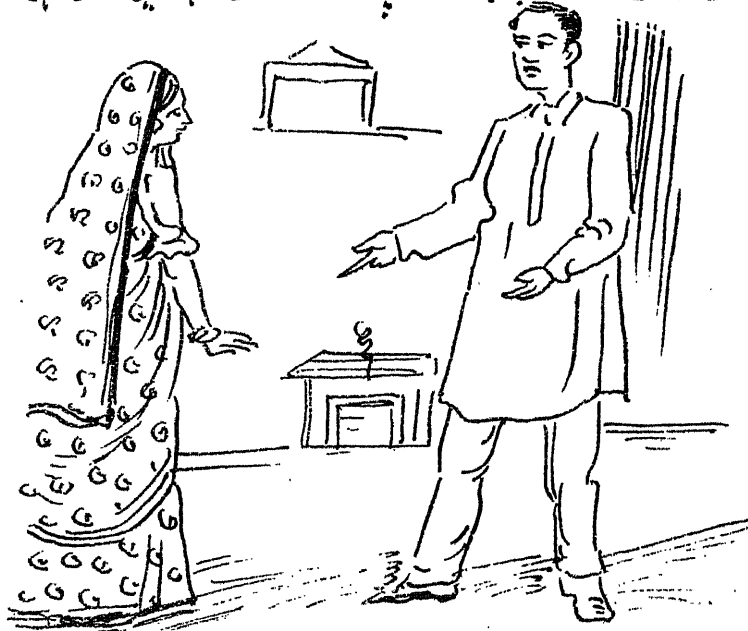
افضال سنتے ہی اچھل پڑا۔ میں بھی کمرہ میں داخل ہوئی تو اُس نے مجھ کو دیکھا۔ اُس ہونٹوں پر جو مسکراہٹ آئی وہ عید سے کم نہ تھی جو مجھے آج تک یاد ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

عصمت ۱۹۲۲ء

عیداور قرض

جس طرح بعض فضول رسموں پر مسلمان روپیہ کا برباد کرنا ثواب سمجھتے ہیں اسی طرح عید پر بھی بعض ناعاقبت اندیش قرض لے کر تہوار مناتے ہیں۔لیکن یہ ایسی زبردست غلطی ہے جس کی تلافی بمشکل ہوسکتی ہے۔رسموں کے معاملہ میں بھی جس طرح زیادہ تر عورتیں ہی ذمہ دار ہیں اسی طرح عید بقرعید کے موقعوں پر بھی۔ اسلام کا منشا یہ ہے کہ عید کے روز غسل کرنا اچھے کپڑے بدلنا خوشبو لگانا نماز کو جانا مسنون ہے۔لیکن برخلاف اس کے مسلمانوں کی کیفیت یہ ہے کہ سینکڑوں روپیہ عید کے سلسلہ میں اُڑا دیتے ہیں۔ہر شخص کے کپڑے نئے بچوں کے واسطے اعلیٰ سے اعلیٰ لباس اور جوتی ٹوپی موجود ہو۔اگر روپیہ پاس نہیں تو بلا سے قرض دام لیں مگر عید کے روز کسی سے ہیٹے نہ رہیں۔

یہ ایک موٹی سی بات ہے کہ عید کا دن رات وہی چوبیس گھنٹہ کا ہے۔ آیا اور گیا۔لیکن اس کا ایسا اثر چھوٹ جائے کہ آدمی مدتوں پریشان رہے تو اس عید سے محرم بہتر۔گھروالی بیویوں کو چاہیئے کہ وہ چادر دیکھ کر پاؤں پھیلائیں۔یہ نہ کریں کہ جھونپڑوں کا رہنا اور محلوں کا خواب پانچ روپیہ مہینہ کی قسط پر سو روپیہ قرض لے کر عید منائیں۔اگر وہ سمجھدار ہیں تو ان کو اپنے شوہروں کو اس خبط سے روکنا چاہیے نہ کہ خود اس مرض میں مبتلا ہوں، عورتوں کو خاص طور پر توجہ کرنی چاہیئے۔اور عہد کرنا چاہیئے کہ جو کچھ خدا نے ان کو دیا ہے اسی میں عید منائیں اور خدا کا شکر ادا کریں ایک پیسہ کا قرض نہ ہونے دیں۔

۲۳

رویائے خجستہ

عید الفطر کہنے کو تو میٹھی عید تھی۔ مگر اس لئے کہ سرکار تشریف نہ رکھتے تھے کچھ پھیکی سی ہوئی۔ بقر عید پر چونکہ سرکار نے اطلاع دیدی تھی کہ وہ تشریف لائیں گے اس لئے میں نے تنخواہ آتے ہی عید کی تیاریاں شروع کر دیں روپے صرف تین ہی سو تھے مگر جانتی تھی کہ آٹھ روز کے بعد وہ خود ہی آرہے ہیں روپیہ کی انشاء اللہ کمی نہ ہوگی۔ اس لئے میں نے سب سے پہلے تو سارے مکان کی سفیدی کروائی۔ اس کے بعد اپنے اور بچوں کے کپڑے بنوائے۔ برتن قلعی کروائے۔ فرش فروش کو ٹھیک ٹھاک کرایا۔ یہاں تک کہ سر پر عید آئی اور سرکار تشریف لے آئے۔ عید کی صبح کو میں نے علی الصباح اٹھ کر گرم پانی اور ناشتہ وغیرہ کا انتظام کیا۔ سرکار اور بچے غسل کر کے ناشتہ سے فارغ ہوئے تو گاڑی تیار کھڑی تھی۔ عید کی تیاریاں ہوئیں آگے آگے سرکار پیچھے پیچھے اوپر تلے کے چاروں بچے۔ کیسا خوشی کا وقت تھا کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ اتنا زبردست اثر مجھ پر ہوا کہ میں ان کے جانے کے بعد بھی شیشوں میں کھڑی جھانکتی رہی اور اس منظر کا لطف اٹھاتی رہی۔ سرکار واپس تشریف لائے

تو پندرہ بیس سیر کچوریاں - پانچ چھ سیر مٹھائی انھاروں ترکاری اور بیسیوں قسم کے کھلونے ساتھ تھے - میں نے بچوں کے گلے لگایا جیسے بقرے بانٹنے شروع کئے سرکار کے لاقاتیوں کا تانتا دن بھر لگا رہا - وہاں کچھ کھچی کھچی سی رہی - چار بجے کے قریب میں نے سرکار کو لکھ کر بھیجدیا کہ اس وقت انجمن خواتین اسلام کا جلسہ ہے جس کی صدر انجمن میں ہوں - اس لئے میں اب جا رہی ہوں - یہ پرچہ لکھ کر میں نہا دھو کر باہر آئی - کاسنی طلاوزا اور پیازی ساڑھی پہن کر میں نے سر سے پاؤں تک تمام زیور پہنا اور یہ سمجھ کر کہ یہ ساڑھی سرکار دو سو روپیہ کی لائے ہیں - یقیناً آج میری عزت کو دو بالا کر دے گی - میں باہر آئی - گاڑی تیار کھڑی تھی - ہماری کوٹھی کے احاطہ میں ہماری ایک پرانی انا کا گھر تھا - اس کو مرے ہوئے بہت روز ہو گئے تھے مگر اس کی بیوہ لڑکی اس گھر میں رہتی تھی - میں کچھ اس کی ہمدردی کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کہ اپنے زیور اور لباس کی اس سے داد لوں اس کے یہاں چلی گئی - بیوہ نہایت میلے کپڑے پہنے ایک ٹوٹے سے کھٹولے پر لیٹی تھی - اس کے دائیں بائیں دو چھوٹے بچے پڑے ہوئے تھے - مجھ کو دیکھ کر وہ اچھل پڑی - اور کہا "آئیے بیگم صاحب تشریف لائیے"

میں بیٹھتی تو کیا خاک - مگر اس سے پوچھا کہ "آپ کا مزاج کیسا ہے"۔

اس نے جواب دیا خدا کا شکر ہے - اچھی ہوں اتنا کہہ کر واپس آئی - وہ فضول پان وغیرہ کے متعلق کہتی رہی - جو یقیناً اس کی غلطی تھی - اس کا بچہ جو شاید پانچ سال کا ہوگا میرے قریب آ گیا - اور کہنے لگا

"بیگم صاحب سلام" دو سو روپیہ کی ساڑھی، اور اس کے میلے ہاتھ مجھ کو بہت ناگوار معلوم ہوا -

میں نے تنبیہاً اس کے تھپڑ مارا اور غصہ سے اس کو جھٹک کر دور پھینک دیا۔ اس کے بعد گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہوئی۔ میں صدر انجمن تھی بیبیوں نے بہت اچھی تقریریں کیں۔ خاتمہ پر میں نے بھی ایک مختصر تقریر کی۔ جس کا ماحصل یہ تھا۔ بہنو! آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ مردوں نے اپنی خود غرضی سے ہم کو ذلیل بنا کر ماماؤں اور لونڈیوں سے بدتر کر دیا۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ بچے جو کچھ سیکھ رہے ہیں۔ اور جو کچھ سیکھیں گے صرف ماں کی گود سے۔ اس لیے جب تک ہماری تعلیم مکمل نہ ہو۔ یقیناً ہم بچوں کی تربیت نہیں کر سکتے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب ہم بھی خواب غفلت سے بیدار ہوئے ہیں۔ ہماری حمایت میں اخبار اور رسالے بھی نکل رہے ہیں۔ انجمنیں بھی قائم ہیں اور ممکن کوششیں بھی کی جا رہی ہیں کہ ہم

مردوں کے پہلو بہ پہلو کام کریں۔ ان کوششوں میں یقیناً ہم مردوں کے ممنون احسان ہیں۔ کیونکہ تجربہ نے ان کو بتا دیا ہے جب تک ہم کسی قابل نہ ہوں گے قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ لیکن قابلیت کے واسطے سب سے بڑی ضرورت تعلیم ہے۔ جس میں جہاں اور بہت سی چیزیں حارج ہیں وہاں پردہ بھی۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ تعلیم کے حاصل کرنے میں جو رکاوٹ ہمارے سامنے آئے۔ خواہ وہ پہاڑ ہی کیوں نہ ہو ایک کنکر کے برابر سمجھیں اور مطلق پرواہ نہ کریں۔"

میرے اس خیال پر چاروں طرف سے "تالیاں بجیں۔ اور چیرز کی صدائیں بلند ہوئیں۔ اب میں نے غور کر کے دیکھا تو واقعی زیور اور لباس دونوں کے اعتبار سے ان بیبیوں میں جو وہاں تھیں ایک بھی میری ٹکر کی نہ تھی۔ میں مغرب کے بعد گھر آئی۔ روشنی ہو چکی تھی۔ میں نے اترتے ہی آئینہ میں اپنی صورت دیکھی تو چاند بھی میرے حسن کے آگے گرد تھا۔ اب موسیقی کا وقت قریب تھا۔ پہلے کچھ دیر تک میرا ثیں وغیرہ گاتی رہیں ان کے جانے کے بعد میں نے پیانو بجایا لڑکیاں کچھ گائیں۔ بچے اچھلتے کودتے رہے۔ غرض آدھی رات کے قریب تک ہم نے عید کی خوشیاں اور رنگ لیاں منائیں۔ میں پہلی رات کی بھی جاگی ہوئی تھی۔ اس لئے میں مسہری میں جا کر لیٹ گئی۔ دو چار لمحہ کے بعد آنکھ لگ گئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ والد صاحب قبلہ تشریف فرما ہیں۔ ان کی تیوری پر بل ہے۔ ان کے چہرے پر غصہ ہے۔ اُن کی آنکھ میں آنسو ہے۔ اور اس طرح فرما رہے ہیں:-

"خجستہ بانو! بیٹی بہت تھوڑی سی زندگی پر پھول کر خدا کو بھول گئیں، تم مسلمان کہلاتی ہو۔ مگر افسوس ہے تمہارے کام اسلام سے کوسوں دور ہیں تمہارا خیال ہے کہ اسلام نے پردہ کی وجہ سے عورت کی ترقی کو روک رکھا ہے لیکن پتھر پڑیں تمہاری عقل پر کہ تم اتنی بات بھی نہ سمجھ سکو۔
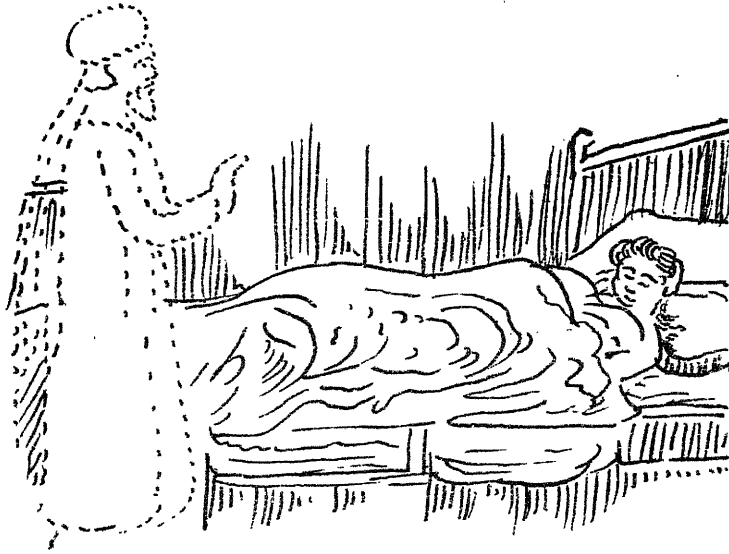
جس طرح مردوں نے مغرب کی اندھی تقلید سے مذہب کو خیرباد کہا۔ اسی طرح عورتوں کا بھی ایک گروہ پیدا ہوگیا ہے۔ جو بظاہر تو ترقی کا مدعی ہے۔ مگر درحقیقت اسلام سے واسطہ نہیں۔ کیا پہلے مسلمانوں میں پردہ نہ تھا۔ اور تھا تو کیا مسلمانوں میں قابل عورتیں پیدا ہی نہیں ہوئیں۔ اور اگر ہوئیں تو کیا تمھاری کوششیں ان بیبیوں سے جن کا نام آسمان علم پر چاند کی طرح روشن ہے بہتر بیبیاں پیدا کرسکتی ہیں۔ تاریخ اسلام اس بات کی گواہ ہے کہ مسلمانوں نے کسی وقت میں اور کسی حال میں مذہب سے علیحدہ ہوکر ترقی نہیں کی۔ ان کا مذہب تمھاری طرح اخباری اور لفظی نہ تھا۔ بلکہ عملی تھا۔ خدا کا واسطہ نجبنہ اس دھوکے بازی کو ختم کرو اور سب سے پہلے صرف اپنے گھر کی اور ان چند بندوں کی جو اولاد کی حیثیت سے تمھارے سپرد ہیں اصلاح کرو۔ اس کے بعد قوم کی ترقی کی طرف رُخ کرنا۔ آج عید کا روز ہے۔ تم نے صبح سے شام تک سینکڑوں روپیہ اُٹھائے اور خوشی سے دل ٹھنڈا کیا۔ جب تمھارے چاروں بچے اپنے باپ کے ساتھ عیدگاہ جا رہے تھے تم نے اُس خدا کا جس نے تم کو یہ خوشی کا دن دکھایا شکریہ ادا کیا؟ صرف یہی ناکہ تمھارے

میاں بچوں کی گاڑی عیدگاہ جا رہی تھی، تو انّا کی لڑکی کا یتیم بچہ حسرت سے کھڑا ان کا منھ تک رہا تھا۔ وہ بن باپ کا ضرور تھا۔ مگر خجستہ اس کے پہلو میں بھی وہی دل تھا جو تمھارے بچوں کے۔ اس کو بخار ضرور چڑھا ہوا تھا لیکن اس کے دل میں بھی عید کی وہی خوشیاں تھیں، جو تمھارے تندرست بچوں کے۔ تم نے دن عیش و عشرت میں بسر کیا مگر انّا کے آٹھ پہر صاف فاقہ میں بسر ہو گئے۔ تم نے اپنی ایک غریب بہن کی کیا خبر لی۔ اور خدا کی نعمت کا کیا شکر یہ ادا کیا۔ جب وہ معصوم بچہ جو تمھاری طرح خدا کی مخلوق تھا، تمھارے پاس آکر کھڑا ہوا تو صرف اس لیے کہ تم نشۂ دولت میں چکنا چور تھیں اور وہ مفلس تھا تمھارے ہاتھ سے پٹ گیا اور تم نے جھٹک دیا۔ روز عید خجستہ تیرا بھی اور انا کے بچہ کا بھی ختم ہوا اور کوئی دن میں شب عید بھی ختم ہوتی ہے۔ تیرا ہنس کھیل کے کھانے پینے میں اس کا صبر و شکر سے فاقہ کے ساتھ۔ لیکن اس رات اور اس دن کی طرح عنقریب عمر بھی ختم ہونے والی ہے۔ اور وہ وقت آئے گا جب تو اور وہ دونوں ایک ایسے حاکم کے حضور میں ہوں گے۔ جس کی نگاہ میں تیرا تمول اور اس کا افلاس برابر ہے۔ خجستہ! بڑا نازک وقت ہوگا اور کوئی یار و مددگار نہ ہوگا۔ آٹھ پہر کی بھوکی ہو وہ۔ بخار زدہ معصوم بچہ کو کلیجہ سے لگائے پڑی ہے، اٹھ کھڑی ہو۔ اور اس نعمت میں سے جو خدا نے تجھ کو دی ہے اس کی خدمت میں پہنچا۔ اور خدا سے دعا کر کہ تیری ناچیز محنت قبول ہو۔ اور اپنے حبیب کے طفیل سے دوجہان کا بادشاہ تجھ کو تیرے میاں اور بچوں کی سلامتی میں دوبارہ ایسی مبارک بہاریں دیکھنی نصیب کرے۔

عصمت ۱۷ء

عیدی

جو چیز جس قدر محنت اور مشقّت سے میسّر آتی ہے اسی قدر اس کی عزت اور وقعت زیادہ ہوتی ہے۔ عید کا چاند چونکہ تیس دن کے روزوں اور رات کی عبادت کے بعد ہاتھ آتا ہے اس واسطے اس کی اس قدر خوشی ہوتی ہے۔ اگر غور سے دیکھیں تو انسان کیا ہر جاندار کے واسطے بھوک پیاس کی تکلیف سب سے بڑھی ہوئی تکلیف ہے۔ مگر مسلمان خدائے برتر کے حکم کے موجب اس تکلیف کو گوارا کرتا اور روزہ رکھتا ہے۔ اس تکلیف کا خاتمہ جو بظاہر تکلیف اور در حقیقت راحت ہے عید کا چاند دیکھ کر ہوتا ہے۔ کہ وہ منھ جس پر قفل لگا رہا اور دن کے وقت کھانا پینا گناہ تھا آزاد ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ عید کے روز مسلمان خوشیاں مناتے ہیں۔

اظہار خوشی کے دنیا میں جو طریقے ہیں۔ ان میں ایک یہ بھی ہے کہ آدمی روپیہ جیسی عزیز چیز دوسروں کو دے اور خوشی منائے۔ اسی کا نام عید ہے۔ جو بڑے چھوٹوں کو، عزیز عزیزوں کو اور سہیلیاں سہیلیوں کو پیش کرتی ہیں۔

عید کا دستور شروع اسلام سے مسلمانوں میں رائج ہے خود رسول کریمؐ نے عید کے روز عیدی عطا فرمائی لیکن مسلمانوں میں اس کا اصل طریقہ مسدود ہو کر صرف نقد روپیہ پر عیدی محدود ہوگئی۔ لیکن لڑکیاں غور کریں تو اس کے نقائص ہم کو جلد معلوم ہو جائیں گے ہم میں وہ لڑکیاں یا بہنیں جن کو ہم عیدی دیتے ہیں محتاج نہیں ہوتے کہ دو چار یا دس بیس روپیہ بغیر جو اُن کو عیدی میں ملتے ہیں اُن کی ضرورت اٹکی رہے۔ نقد روپیہ صرف ان لوگوں کو دینا چاہیے جو واقعی ضرورت مند ہوں۔ علاوہ اس کے معمولی عیدی خواہ سو روپیہ بھی ہو تھوڑی دیر کی خوشی ہے اس لیے عیدی ایسا تحفہ دینا مناسب ہے، جو کچھ مدّت عید کی خوشی کو تازہ رکھے۔

سنہ ۱۹۱۸ء

گھر کی ملکہ اور عید

بیوی اس معزز لقب کی جو اسلام نے اس کو عطا کیا یعنی "گھر کی ملکہ" اگر قدر کرے تو اس کے ذمہ کچھ فرائض بھی ہیں اور جب تک وہ ان کو پوری طرح ادا نہ کرے ہرگز گھر کی ملکہ نہیں ہو سکتی۔ عید کے جو فرائض اس کے ذمہ ہیں وہ یہ ہی نہیں کہ وہ اپنا بیش قیمت جوڑہ تیار کرے۔ اور خواہ شوہر کی مالی حالت اجازت دے یا نہ دے۔ ایک معمولی رقم اپنے لباس پر صرف کر دے۔ اور ایک عید کے روز مہینہ بھر کی آمدنی بغیر اس فکر کے کہ کل کیا ہوگا خرچ کر دے۔

جب عید میں آٹھ نو روزہ رہ جائیں یعنی بیسویں روزے کے بعد بیوی کو سب سے پہلے گھر کے بناؤ سنگار پر توجہ کرنی چاہیے۔ یعنی مکان کی ظاہری حیثیت اس کی آمدنی سے کم نہ ہو۔ اگر اس کا شوہر دو سو روپیہ ماہوار بیوی کے ہاتھ میں دیتا ہے اور اس کے گھر کی حیثیت شوہر کی آمدنی دو سو روپیہ نہیں بتا رہی تو وہ نہایت بدتمیز اور حد سے زیادہ پھوہڑ عورت ہے۔ یوں تو یہ اصول ہمیشہ ہی کے واسطے مقرر ہے لیکن عید بقر عید پر اور اسی قسم کے موقعوں پر گھر والی بیوی کو اپنے بناؤ سنگار سے

زیادہ گھر کے بناؤ سنگار پر توجہ کرنا ضروری ہے۔

حفظان صحت کے اعتبار سے اگر ہر مہینہ نہیں تو کم از کم ایک سال میں دو مرتبہ گھر کی صفائی ہونی ضروری ہے۔ اگر پختہ گھر ہے تو قلعی اور کچا ہے تو لپائی۔ تاکہ عید کی خوشیوں میں گھر والی کے ساتھ گھر بھی شریک رہے۔ اس کے بعد اگر گھر والی کے ساتھ کچھ مسلمان نوکر چاکر متعلق ہیں، تو ان کی تنخواہیں کچھ روز پیشتر ادا کرنی مناسب ہیں۔ تاکہ وہ بھی عین عید کے روز اپنے مالک کے ساتھ برابر کے شریک رہیں اور جس وقت بیوی عید کی خوشیاں منا رہی ہو۔ ان کی تیوری پر بل نہ آئے۔

اب گھر والی کے سامنے ایک چیز اور آتی ہے۔ بشرطیکہ وہ با اختیار گھر کی ملکہ ہے۔ اور برائے نام بیوی نہیں جس کو گنگنی بوٹی اور تپا شوہر پال رہا ہے اور بیوی کہلا کر ماما کا کام کر رہی ہے۔ کہ جو مل گیا وہ پکا دیا اور جو حکم ہوا وہ پہن لیا۔ یہ چیز صدقہ فطر ہے۔ جس طرح ہندوؤں میں بھائیوں کی سلامتی اور مردوں کی تندرستی کا روزہ بہنیں اور بیویاں رکھتی ہیں۔ اسی طرح اسلام نے بھی اپنی اور اپنے متعلقین کی صحت کا عید کے موقعہ پر کچھ صدقہ مقرر کیا ہے۔ اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ عید کی خوشی سے غریب بھی محروم نہ رہیں۔ اور یہ خوشی صرف امیروں پر ختم نہ ہو جائے۔

اس سلسلہ میں گھر والی بیگم کو اپنے عزیز اقارب، ہمسایہ جان پہچان وغیرہ پر نظر ڈال کر دیکھنا چاہئے کہ کون زیادہ مستحق ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ فطر صرف عید ہی کے روز دیا جائے۔ اگر پہلے ہی دیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ اس سے فراغت پاکر بچوں کے لباس کی ضرورت ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں درزیوں کی دکانیں جہاں عید سے دو ایک روز پہلے رات رات بھر کھلی رہتی اور مسلمانوں کے افلاس کا مرثیہ پڑھتی ہیں وہاں با اختیار بیویوں کے پھوہڑ پنے پر ضرور آنسو گراتی ہیں۔ اگر کپڑے تیار کرواتے ہیں تو چاہئے کہ وقت سے پہلے ان کا انتظام ہو جائے۔

اب بیوی کو ان ضرورتوں پر غور کرنا ہے۔ جو اس کے شوہر کی ہیں اور جس میں تھوڑا یا بہت اس کا ہاتھ بھی ہے۔ بعض مرد خوشبو وغیرہ کو پسند نہیں کرتے۔ مگر اسلام نے اس کو اچھا بتایا ہے۔ اور اس کی بہتری اسی سے ثابت ہے کہ گرم موسم میں اس کا ہونا ہر اعتبار سے مناسب ہے۔ یہاں تک کہ صحت کے لحاظ سے بھی

ان سب ضرورتوں کو پورے طور پر انجام دینے کے بعد بیوی بشرطیکہ اس کو قرض نہ لینا پڑے اپنے اوپر شوہر کے مشورے سے جس قدر چاہے صرف کرے

مئی سنہ ۱۹۲۰ء

رمضان اور خیرات

رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہوگیا یہ وہ مقدس اور پاک وقت ہے جب انسانی نیکیاں دربار خداوندی میں خصوصیت سے قبول ہوتی ہیں۔ اور معبود حقیقی اپنے گنہ گار بندوں کو ان کے ایمان کی کسوٹی پر پرکھتا۔ ان کی نیتوں کا بدلہ دیتا۔ اور اُن کے اعمال کا جائزہ لیتا ہے۔ عمل نیک کے درجے بڑھتے ہیں۔ رحم وکرم کے دروازے کھلتے ہیں۔ انعام واکرام کی بارش ہوتی ہے۔ اور ہر مسلمان اپنی ادنیٰ سی عبادت پر خدائے بہتر و برتر کے انعام سے مالا مال ہوتا ہے۔ اور اس مبارک موقع سے جو اس کو خوش قسمتی سے میسر ہوگیا فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اور کوشش کرتا ہے کہ اس کی نیکی پچھلے گناہوں کی تلافی کرے۔ اور مجبور ولاچار نافرمان وگنہگار بندہ اپنی نیکی سے خدا کے حضور میں سرخرو ہو۔ اور زندگی کا مقصد اصلی یعنی خدا کی رضامندی حاصل کرے۔

خوشنودیٔ خدا ہی عبادت کا دام ہے　＊　جنت بھی اک رضائے الٰہی کا نام ہے

گناہ ونافرمانی ایک اعتبار سے فطرت انسانی ہے۔ مگر خوش نصیب ہے وہ مسلمان جو اپنی نافرمانیوں اور گناہوں کا احساس کرے اور نافرمان سر اور گنہگار قلب خدا کے حضور میں جھک جائے۔ سچے دل اور اچھی نیت سے اپنی غفلت سے نادم ہو شرم کے آنسو آنکھ سے نکلیں اور خوف کی صدائیں قلب کو تھرا دیں عجز کے قدموں سے

آگے بڑھے اور یقین کرے کہ خالق الموجودات کی رحمت وسیع ہے۔ اور اس کا عظیم الشان دربار ہزاروں اور لاکھوں روپوں کا محتاج نہیں۔ چھوٹی سے چھوٹی نیکی اس کے فضل سے کوہ گراں بنتی ہے۔ اور حقیر سے حقیر خدمت بھی اس کے کرم سے ارفع و اعلیٰ لباس پہن سکتی ہے۔ اس کی ازلی و ابدی طاقت گھاس کے ایک تنکے کو سدا بہار پھول کرتی ہے اور اس کی لازوال قدرت جو کی روٹی اور بیسن کی چٹنی کو نعمتِ غیر مترقبہ بناتی ہے اور یہ وہ سرکار ہے جہاں ہیروں سے پہلے پتھر اور پھلوں سے پہلے پتے منزل مقصود پر پہنچتے ہیں۔

ہنر مندوں سے پوچھے جائیں گے واں بے ہنر پہلے

خاک عرب سے اُٹھنے والے ہادیٔ برحق (جس پر ہمارے جان و مال قربان ہوں!) کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز جب میدان حشر میں نفسی نفسی کا عالم ہوگا اور ہر شخص حیران و پریشان خوفِ خدا سے کانپ رہا ہوگا تو خدائے واحد القہار کا ارشاد ہوگا کہ ارے بندے آج تو ہمارے کرم کا محتاج ہے، مگر کیا تجھے وہ وقت یاد ہے، جب ہم بھوکے پیاسے تیرے در پر آئے اور تجھ سے التجا کی۔ جب ہم مجبور و لاچار تیرے پاس پہنچے اور تجھ سے سوال کیا۔ مگر ہماری التجا بے سود اور سوال بے کار رہا۔ تیرا دسترخوان ہماری نعمتوں سے مالا مال تھا۔ تیرا گھر ہماری عطا کی ہوئی دولت سے بھرپور تھا لیکن تو نے ہمارے پھٹے کپڑوں کو دھتکار دیا۔ ہمارے مایوس چہرے سے منہ پھیرا اور ہماری درخواست پر توجہ نہ کی۔

یہ فرمان سُننے کے بعد ہر شخص عرض کریگا کہ الہ العالمین ہم کو یاد نہیں کہ تو نے ہم سے سوال کیا اور اس حال میں ہمارے پاس پہنچا۔ حکم ہوگا کہ ہمارے اپاہج بندے لاچار مخلوق، حاجت مند انسان جب تیرے سامنے آئے اُن کی صدائیں تیرے کانوں میں پہنچیں۔ لیکن تو نے توجہ نہ کی۔

وہ کون تھا، وہ ہم ہی تھے!

نغمۂ عید

عید کی صبح کو جب مسلمان اپنے بچوں کو کپڑے پہنا کر باغ باغ
ہوں - عید کی خوشیاں اُن کے در و دیوار پر برسیں - انواع و اقسام کی نعمتیں
ان کے دستر خوان پر چنی جائیں - رنگ برنگ کے لباس اور زیور گھروں میں
چمکیں - ہر سمت سے مبارک سلامت کی دعائیں اور صدائیں ہوں اُس وقت
مسلم خواتین معصوم یتیم اور مجبور و لاچار بچیوں کی بیکسی کو فراموش نہ کریں -
دنیا کی مسرتوں اور زندگی کی خوشیوں میں یہ بچیاں بھی شریک ہونے کا
حق رکھتی ہیں - مگر ماں باپ کی موت ان کے حقوق ختم کر گئی - اور آج ان کے
سامان مسرت پیدا کرنا ان کے پیٹ بھرنا اور ان کے بدن ڈھانکنا ، ان
ماؤں اور باپوں کا کام ہے ، جو اپنے بچوں کو کلیجے سے لگا کر نہال نہال ہو رہی ہیں

لو اے اپنے بچوں کو کھلاؤ جب محبّت سے
ہماری بھوک بھی بچّوں کی ماؤں یاد کر لینا

عید کا دن ختم ہوگا اور یہ رات بھی دن سے بدلیگی - مگر مبارک ہوں گے
وہ ہاتھ جو اِن معصوم بچّیوں کی اعانت کو بڑھیں گے - اور اس وقت جب

اس مسرّت کے جلوے فنا ہو جائیں گے آسمان اس رحم و کرم پر پیار کیا دیگا

جس طرح خوش نصیب اور خوش حال بچوّں کی عید رُوپوش ہو گی

اسی طرح بن باپ کی بیکس بچیوں کا دن بھی بسر ہو جائے گا۔ لیکن عید کے

بعد بھی وہ مسرّت باقی رہیگی۔ جو ان بچیوں کی اعانت سے حاصل ہوئی ہو

ان کے سر پر ہاتھ رکھنے والی مائیں۔ اور اُن کی محبّت پر آنسو گرانے والے

باپ اپنے کرم پر ہمیشہ ہمیشہ مسرور رہوں گے۔ اگر یہ بدبخت بچیاں اس قابل نہیں

ہیں کہ آپ سے اپنی عیدی طلب کریں، اور نہ اس لائق ہیں کہ آپ کے

دستر خوان پر برابر بیٹھ سکیں۔ تو ان کی معصوم دعائیں مول لیجئے۔ اور اُن

پر رحم و کرم فرما کر اس رحم و کرم کو حاصل کیجیے، جو ازلی و ابدی طاقت ہے

ان کے معصوم چہرے۔ ان کی خاموش صورتیں آپ کو اور آپ

کے بال بچوں کو دعائیں دے رہی ہیں۔ ان کی نگاہیں آپ کے کرم کی

اور ان کی نظریں آپ کے رحم کی محتاج ہیں۔ ان کے دل کمزور سہی لیکن

ان کی زبان پر اُس جلیل القدر شہنشاہ کا کلمہ ہے، جو دونوں جہان

کا بادشاہ ہے۔

متاعِ بے بہا ہے دستگیری نیم جانوں کی
خرید اکر ملیں جتنی دعائیں ناتوانوں کی

یتیموں کی عید

گذشتہ تیرہ، چودہ صدی میں دنیا اور اس کی اشیاء اپنی اپنی عمر کو پہنچ کر فنا ہو چکیں، مگر قدرت کے قانون اب بھی بدستور اپنے کام کر رہے ہیں اور بقائے حیات کی کوششوں میں سرگرم ہیں۔ آدمی، جانور، پھل، پھول انھیں کے فراہم کیے ہوئے اسباب سے زندگی پوری کر رہے ہیں۔ انسان جس کے احسان فراموش ہونے کی کتاب اللہ شاہد ہے سب سے زیادہ قدرتی اشیاء سے متمتع ہو رہا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ وہی قدرت سے بغاوت کر رہا ہے۔

جنگلوں میں صحرائی پرندے پہاڑوں پر طائران خوش الحان اور شہروں میں مؤذن کی صدائیں خاتمۂ شب اور طلوع آفتاب کی خبر دیتے ہیں مگر مسلمانوں کو ان کی مقدس کتاب ایک اور آنے والے دن کی خبر دے رہی ہے جس کا نام یوم الحق ہے۔ جب اعمال انسانی انصاف کی کسوٹی پر پرکھے جائیں گے و اعضائے انسانی اعمال و افعال کے شاہد ہونگے مخبر صادق کا ارشاد ہے کہ اس روز جب انسان اپنے اعمال کا وزن دیکھ کر سرنگوں اور پریشان ہوگا تو خدائے واحد کی ازلی و ابدی طاقت بندے سے اس طرح خطاب کریگی یاد کر وہ وقت جب ہم بھوکے اور پیاسے تیرے دروازے پر گئے کہ شاید اس دولت میں سے جو تجھ کو ہم نے عطا فرمائی۔ اس رزق میں سے جو ہم نے تجھ کو دیا ہمارا پیٹ بھی بھر دے۔ مگر ہم تیرے دروازے سے واپس آئے اور تو نے ہم پر مطلق توجہ نہ کی اور رحم

نہ کھایا

یہ سن کر گنہگار انسان عرض کریگا۔ اے زمین و آسمان کے مالک تونے کبھی ہمارے دستر خوان پر آنے کی تکلیف گوارا نہ کی۔ حکم ہوگا کہ ہمارے لاچار بندے اور اپاہج مخلوق، جن کو تونے جھڑکا اور رحم نہ کھایا وہ کون تھے۔ میں ہی تھا اور میں نے تجھ کو خبر دی تھی۔ کہ دنیا کے بہت سے سودے کر رہے ہو ایک معاملہ ہم سے بھی کرو اور کچھ ہمارے پاس امانت رکھوا دو۔ ہم اشد ضرورت کے وقت تم کو واپس کر دیں گے۔ آج تمھاری کوئی امانت ہمارے پاس نہیں ہے۔

آفتاب عید ارض مقدس پر نمودار ہو چکا۔ مسلمان اُجلے اور نئے کپڑے پہن کر نماز کو روانہ ہو رہے ہیں کہ آقائے دو جہاںؐ کے وہ مبارک کندھے جن پر ہم اور ہمارے ماں باپ ہزار بار قربان ہوں دو یتیم بچوں کے سامنے جھک گئے اور معبود حقیقی کی بے زبان مخلوق شہنشاہ کونین کے کندھوں پر سوار ہو گئی۔ خدا کا پیارا اور ہمارا آقا ان بچوں کے کپڑے بدلوا کر نماز کو لے جا رہا ہے۔ اور اپنی اُمت کو بتا رہا ہے کہ بیکس معصوم دربار رسالت اور خدائی حکومت میں کیا درجہ رکھتے ہیں۔ "ہزار ہا درود و سلام"

عید الفطر سر پر آگئی یتیم بچیاں بھی مسلمان بچیوں کی اس خوشی میں شریک ہونے کا ہر مسلمان کی طرح حق رکھتی ہیں۔ ان کا دل بھی اچھے لباس پر راغب ہوگا بہتر کھانے کو ان کا جی بھی چاہے گا اور یہ بھی وارث والے بچوں کو دیکھ کر اپنے جذبات سے متاثر ہوں گی۔

مبارک ہوں گے وہ ہاتھ جو شہنشاہ کونین کی اس پیاری اُمت کے لئے آگے بڑھیں، اور ان کی خدمت کریں۔

عصمت ۲۳۵

بچیوں کی عید

انسانی نظروں کا عظیم الشان ڈھیر زمین سے اُڑ اُڑ کر آسمان کی طرف ایک ابر غلیظ کی آغوش میں ان مچھلیوں کی طرح جو سطح آب پر اُچھلتی ہیں۔ جذب ہو رہا تھا۔ یہ تمام نگاہیں متلاشی تھیں اس چشم فلک کی، جو تعبیر ہو رہا تھا چاند کے نام سے۔

آسمان کی آنکھ مشاہدہ کائنات کو رات دن کھلتی تھی اور ٹھنڈے سانسوں کے ساتھ بند ہو جاتی تھی۔ مگر سنسان جنگل کے خود رو پھولوں میں کچھ گرم آنسو نظر آتے تھے۔ اور یہ مرثیہ تھا دنیائے اسلام کی حالت پر آسمان کی رسیلی آنکھ کا جس کو ـــــ چاند کہتے تھے

تخیل اسلامی نے آج چشم فلک کو چشم عروس بنا دیا تھا۔ لاتعداد امنگیں، بیشمار ارمان، بے انتہا مسرتیں ان کے گھونگٹ میں جھول رہی تھیں۔

ـــــــ ایک برقی ڈھنڈورہ دنیائے اسلام میں پٹا خوشیوں کی لہریں دلوں میں دوڑیں۔ رات دن سے بدل گئی۔ اور سر زمین اسلام سے شادمانی کے نعرے بلند ہوئے۔ عروسِ فلک

نے گھونگھٹ ہٹایا اور وہ حسن سامنے آیا جسے چاند کہتے ہیں۔ آفتاب عید دریائے مسرت میں غوطے لگا کر طلوع ہوگیا۔ اس کے ساتھ خوشیاں ہیں مسلمان گھروں میں۔ بڈھوں میں جوانوں میں، بچوں میں۔ لڑکوں میں لڑکیوں میں بے فکری و اطمینان کی بارش ہے۔ امنگیں ہیں، خوشی کی جھڑیاں ہیں ——— لیکن سامنے ایک انسانی ہستی ایک بچی ایک یتیم لڑکی جس کی امنگیں ماں کی موت اور باپ کی علت کے ساتھ قبر میں دفن ہوئیں خاموش کھڑی ہے۔ خوش ہونے والوں کا منہ حسرت سے دیکھتی ہے تکتی ہے۔ اس کی آنکھ میں آنسو ہیں۔ اس کے دل میں بچھڑے ہوئے ماں باپ کی یاد ہے۔ اس کے ٹھنڈے سانس اس کی خاموش آہیں اور اس کی مصیبت ناک نظریں کتاب انقلاب کا ایک ورق ہے۔ وہ دیکھتی ہے اپنے پھٹے ہوئے کپڑوں کو اپنے ننگے پاؤں کو، اپنے میلے کچیلے پھٹے پرانے کپڑوں کو روتی ہے۔ ماں کو یاد کر کے بلبلاتی ہے باپ کو آوازیں دے کر۔ ماؤں کی ممتا۔ باپوں کی شفقت اس کے معصوم دماغ کو بتا رہی ہے کہ زندگی کی نعمتوں سے وہ محروم ہے۔ کون ہے جو اس کو کلیجے سے لگا کر دل ٹھنڈا کرے۔ محبت کا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دے دنیا کو بتا دے، مسلمانوں کو دکھا دے کہ ہادیٔ برحق کے نام لیوا۔ رسول برحق کے غلام اس کے ارشاد پر گردن جھکا دیں گے اور اس بے وارث معصوم کے گلے میں ہاتھ ڈال کر اس کی عید منوا دیں گے۔

بنات ۱۹۳۰ء